﴿گوشۂ ابنِ صفی﴾

(اس گوشہ کی تیاری میں راشد اشرف (کراچی) نے بے حد مدد کی ہے۔ مدیرہ اور ادارۂ علیگڑھ اردو کلب انکا شکریہ ادا کرتا ہے۔)

اردو میں جاسوسی افسانہ

پروفیسر مجنوں گورکھپوری

لڑکپن سے میرا مزاج جو سراسر علمی اور ادبی ہو کر رہ گیا تھا میرے ہم سنوں سے بالکل مختلف تھا۔ مگر یہ نہیں کہ میں نے کبھی اپنے ہم سنوں یا ہم کاروں کے مزاج و کردار یا گفتار و رفتار پر بھول کر بھی تعریض کی ہو۔ میں ان کو ان کی سطح اور ان کے مقام پر چھوڑے رہتا تھا۔ اور خود اپنی افتادِ طبیعت اور اپنے میلانات اور زندگی کے جو پیمانے میں نے مقرر کئے تھے ان کی شعوری طور پر نگہداشت کرتا رہتا تھا۔ اوائل عمر سے مطالعے اور مطالعے پر غور و تامل میری فطرت ثانیہ بن گئی تھی۔ میں پڑھنے کو تو ہر طرح کی چیزیں پڑھ لیتا تھا اور کچھ دیر تک ان سے لطف یا عبرت حاصل کر لیتا تھا' لیکن جوہری طور پر میرا مزاج بہت سنجیدہ تھا اور زندگی کے ہر شعبے میں سنجیدگی اور توازن چاہتا تھا۔ اسی لئے میں مزاح اور تمسخر کا زیادہ دیر تک متحمل نہیں ہو سکتا تھا۔ میں مزاح و تضحیک کے مقابلے میں جہاں تک فن اور ادب کا تعلق ہے سنجیدہ تحریر و تقریر کی زیادہ قدر کرتا تھا۔ دنیا کے بہت کم مزاح نگار یا طنز نگار ایسے ہیں جن کی عظمت کا میں قائل ہوں۔ یہ بات آج تک درست ہے۔

اسی طرح ادب میں' میں اس صنف کو کوئی بڑا مرتبہ نہیں دیتا تھا جو اصطلاح میں سراغرسانی یا جاسوسی ادب کہلاتا ہے اور تو اور داستان الف لیلہ کو چھوڑ کر میں ان داستانوں کو بھی سرسری طور پر پڑھ کر الگ کر دیتا تھا جن میں فرضی دنیا کے واقعات اور رجال داستان سے زندگی کی نمائندگی کی جاتی ہے۔ میرے گھر میں کوئی بزرگ ایسا نہیں تھا جو داستان امیر حمزہ کے تمام دفاتر کا وظیفے کے طور پر ورد نہ کرتا رہا ہو اور میں نے ہمیشہ یہ محسوس کیا کہ طلسم

ہوش ربا جیسی کتابیں افیون کے نشے کا سا حکم رکھتی ہیں۔ اس لئے کہ جب میں اپنے بڑوں کو یہ کتابیں پڑھتے ہوئے دیکھتا تھا تو یہ بھی دیکھتا تھا کہ ان کو پڑھتے وقت کھانے پینے اور گھر یا گھر سے باہر کے دوسرے اہم امور و معاملات کا کوئی ہوش نہیں رہتا تھا۔ اسی لئے میں ان کتابوں سے گھبراتا تھا اور ۱۹۴۲ء سے پہلے میں نے ان کتابوں پر ہمیشہ تھوڑی تھوڑی دیر کے لئے اچٹتی نظر ڈالی۔ وہ بھی اس لئے کہ میرے معاصر یہ نہ کہہ سکیں کہ میں نے اردو میں اتنی مشہور اور مقبول عام کتابیں نہیں پڑھیں۔

جب انگریزی تعلیم کی غرض سے میرا نام چھٹی جماعت میں لکھایا گیا تو میں نے اپنی ساری توجہ اور قوت انگریزی زبان حاصل کرنے کے لئے وقف کر دی اور انگریزی زبان اور انگریزی زبان کے توسط سے دوسری مغربی زبانوں کا جو کچھ سرمایہ مجھ کو ملتا گیا میں اس کو پڑھتا رہا۔ دسویں جماعت تک آتے آتے ڈکنز کے پیشتر ناولوں اور ہارڈی کے تمام ناولوں کا مطالعہ کر چکا تھا اور ان پر اپنے فکری نصاب کے اعتبار سے سوچ چکا تھا۔ اسی سلسلے میں مجھے ڈکنز کے معاصر وکلی کولنز کے دو مشہور ناولوں یعنی The Women in white اور The Moon Stone پڑھنے کا اتفاق ہوا جن کا ڈکنس جیسا تاریخ میں مشہور ناول نگار بھی قائل ہے۔ اور جو آج تک ان لوگوں سے خراجِ تحسین حاصل کر رہا ہے جن کو انگریزی ادب اور اس کے مزاج میں رچا ہوا ادرک حاصل ہے۔ میرے ایک استاد نے مجھے بتایا کہ امریکہ کے مشہور شاعر' ناقد اور افسانہ نویس 'ایڈگر ایلن پو' کی پراسرار کہانیوں اور جاسوسی افسانوں پر وکلی کولنز کی ایسی چھاپ ہے جو پہچانی جا سکتی ہے۔ وہ زمانہ میری ادبی لگن کا تھا۔ میں نے فوراً پو کے افسانے تلاش کر کر کے پڑھنا شروع کئے اور مجھے پہلی مرتبہ یہ احساس ہوا کہ جرائم اور خباثت کی تحقیق اور اسی کی سراغرسانی بھی اہل فن کے ہاتھوں میں عظیم ادب بن سکتی ہے۔ لیکن اس کا کیا علاج کہ مجھے جولذت ڈکنس کے ''ڈیوڈ کوپر فیلڈ'' اور ''اے ٹیل آف ٹوسٹیز'' یا تھامس ہارڈی کے بہترین ناولوں یا ٹالسٹائی کے ''Ana Karenina اور Resurrection تا داستفسکی کے ''کرائم اینڈ پنشمنٹ'' اور ''ایلیٹ'' میں ملتی تھی، وہ ایڈگر ایلن پو کے کسی ناول میں نہیں۔ اسی اثنا میں میرے والد نے مجھے شوق دلایا کہ میں سر آرتھر کونن ڈائل کے شرلک ہومز کے سلسلے کے افسانے اور ناول پڑھوں اور انہوں نے ہی مجھے شرلک ہومز کا پورا کارنامہ خرید کر دیا۔ میں نے پڑھنا شروع کیا۔ میں آرتھر کونن ڈائل کے نام سے روحانیاتی تحقیق کے سلسلے میں واقف ہو چکا تھا اور اس کی

انگریزی زبان اور انداز بیان کا قائل تھا۔ میں نے شرلک ہومز کے قصوں کو پڑھا اور اسی دور میں کئی بار پڑھا اور اس دور سے لے کر اب تک کم سے کم پچاس مرتبہ پڑھ چکا ہوں۔ جہاں تک زبان اور اسلوب کے معیار کا تعلق تھا میں ان قصوں کا معترف تھا اور یہ بھی محسوس کرتا تھا کہ کونن ڈائل نے اپنی پوری کوشش اس بات پر صرف کی ہے کہ جاسوسی افسانوں کو ادبی مقام پر لائے لیکن میری نظر اور میری فکر ادب میں گہرائیاں ڈھونڈھتی ہے اور یہ خصوصیت مجھے شرلک ہومز کے افسانوں میں بھی نہیں ملی۔ میرے والد کے دوست ظفر علی جو پولیس کے ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ تھے مجھ سے اصرار کرنے لگے کہ میں فرانس کے دو جاسوسی ادیبوں ''گبوریو'' اور ''لیبلا نک'' کے جاسوسی افسانے بھی پڑھوں لیکن نہ تو مجھے لیکاک سے وہ آسودگی ہوئی اور نہ آرسین لوپن سے جو ''نہیں نہیں'' پر شرلک ہومز اور اس کے مجرموں سیہوئی تھی۔ ایڈگر ایلن پو کا ڈوپن بھی مجھے ان فرانسیسی لکھنے والوں کے کرداروں سے بلند معلوم ہوتا ہے۔

پھر ایسا ہوتا رہا کہ جب سنجیدہ مسائل پر کتابیں پڑھنے سے میری طبیعت کبھی کبھی اکتا جاتی تو میں وقت کو ذبح کرنے کے لئے ہر طرح کا تفریحی ادب بالخصوص جاسوسی ناول یا افسانے انگریزی میں پڑھتا رہا۔ پہلی جنگ عظیم کے فوراً بعد کی بات ہے کہ میں نے ولیم لیکوے کے افسانے پڑھے جو سائنسی جاسوسی واقعات پر مبنی افسانے لکھتا تھا۔ یہ سب لوگ زبان کی آبرو قائم رکھنے کی کوشش کرتے تھے۔ اور یہی بات ان لوگوں میں مجھے غنیمت معلوم ہوئی۔ اسی دور میں ''ای فلپ اوپن ہیم'' اور ایڈگر ویلس کا چرچا ہونے لگا اور میں نے ان لکھنے والوں کے تمام ناول پڑھ ڈالے اور ان دونوں سے مجھے یہ اطمینان حاصل ہوا کہ انگریزی زبان کی ادبی حیثیت قائم رکھتے ہوئے یہ لوگ جاسوسی قصے لکھتے ہیں لیکن یہ بات اپنی جگہ کہ کہانی یا ناول کی حیثیت سے ان سب نے مجھے نا آسودہ چھوڑا۔ اب مختصراً مجھے صرف اتنا کہہ دینا ہے کہ پیٹر شینی اور سیکسٹن بلیک جیسے سفری افسانہ نگاروں سے لے کر بڑے سے بڑے ادبی مقام رکھنے والے جاسوسی افسانہ نگاروں تک کوئی چھوٹا یا بڑا ایسا نہیں ہے جس کو میں نے نہ پڑھا ہو۔ اوپن ہیم اور ایڈگر ویلس کے بعد جس کی انگریزی کو میں نے زبان سمجھا ہے وہ اگاتھا کرسٹی ہے جس نے کسی سے کم جاسوسی ناول نہیں لکھے۔ آج بھی جب مجھے وقت کا گلا گھونٹنا ہوتا ہے تو یا تو شرلک ہومز کے افسانے دہراتا ہوں یا اگاتھا کرسٹی [۲] کا کوئی ناول اٹھا لیتا ہوں جس کو ایک رات میں ختم کر دیتا ہوں۔

موجودہ صدی کی دوسری دہائی جہاں برصغیر ہندو پاک کی زندگی اور ادب میں کئی اور اعتبارات سے اہمیت رکھتی ہے وہاں اس لحاظ سے بھی اس کو ایک امتیاز حاصل ہے کہ اسی زمانے میں افسانے کی وہ صنف اردو میں روشناس کرائی گئی جس کو ہم جاسوسی افسانہ کہتے ہیں۔ ویسے تو اگر تجسس اور سراغرسانی کا زیادہ باریکی کے ساتھ جائزہ لیا جائے تو پرانی داستانوں میں بھی اس کے عناصر ملیں گے۔ عمرو عیار اردو میں پہلا کامیاب جاسوس ہے اور پھر اس کے ساتھ ساتھ صاحبقراتی لشکر گاہ کے بہت سے گرگے اور افراسیابی جماعت کے بہت سے بیر بھی اردو میں جاسوسوں کی پہلی مثالیں ہیں۔ اس کے علاوہ انسانی معاشرے میں برائیوں اور ان کی جڑوں کا پتہ لگانا اور ان کی بیخ کنی کرنا آج کی بات نہیں ہے۔ بہت پرانے زمانے سے انسان کی یہ روش چلی آ رہی ہے۔ لیکن جہاں تک میرا حافظہ میری مدد کرتا ہے اردو میں باقاعدہ جاسوسی قصوں اور ناولوں کی ابتدا فیروز دین مراد سے ہوتی ہے جو کسی زمانے میں علیگڈھ مسلم یونیورسٹی کے شعبہ کیمیا میں لیکچرار تھے۔ آج لوگ ان کے نام اور ان کی تحریروں کو بھول چکے ہیں۔ فیروز دین مراد نے شرلک ہومز کو اردو میں منتقل کرنے کا بیڑا اٹھایا لیکن شاید ان کو زیادہ موقع نہ مل سکا کہ وہ مسلسل شرلک ہومز کے تمام کارناموں کا اردو ترجمہ کر ڈالیں۔ انہوں نے شرلک ہومز کے منتخب جاسوسی افسانوں کا 'حکایات شرلک ہومز' کے نام سے ترجمہ کیا اور شرلک ہومز کے ناول 'اے اسٹڈی اِن اسکارلٹ' کا جو اس کا پہلا ناول ہے ''خوں نابہ عشق'' کے نام سے اردو میں ترجمہ کیا۔ یہ ترجمے ہاتھوں ہاتھ لئے گئے اور گھر گھر پڑھے گئے۔ فیروز دین مراد نے بھی اس کی بھرپور کوشش کی کہ اردو زبان کا معیار قائم رہے۔ میں نے ان افسانوں کو انگریزی کے اصلی افسانوں کے ساتھ پڑھا اور مجھے بیک وقت ترجمے کی صداقت اور زبان کے معیاری ہونے کا احساس ہوا۔

فیروز دین مراد کے ساتھ لازمی طور پر ظفر عمر [۳] کی یاد آتی ہے۔ تقدیم و تاخیر کے اعتبار سے میں دعوے کے ساتھ کوئی حکم نہیں لگا سکتا۔ فیروز دین مراد اور ظفر عمر ہم عصر تھے اور اکثر علی گڈھ میں ساتھ رہے۔ لیکن یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ اردو کو انہی دونوں نے جاسوسی افسانہ نگاری سے آشنا کیا اور اس کو افسانہ نگاری کی ایک الگ صنف بنا کر پیش کیا۔ فیروز دین مراد نے سیدھے سیدھے شرلک ہومز کے ترجمے کئے لیکن ظفر عمر نے ترجمے پر اکتفا نہیں کیا بلکہ انہوں نے مارس لیبلا نک کے کردار آرسین لوپن کو بہرام کا روپ دینا ضروری سمجھا۔ یعنی انہوں نے فرانسیسی ناول نگار کے افسانوں کو اس طرح پیش کیا کہ ان

کے پڑھنے والے ان افسانوں کو طبع زاد سمجھنے لگے۔

جاسوسی افسانے کا فن ایک اعتبار سے بہت مشکل ہے۔ اگر مجرم اور اس کے جرم کو بہت ادنیٰ اور معمولی بنا کر پیش کیا گیا تو اسی مناسبت سے سراغرساں یا جاسوس کی بڑائی گھٹ جائے گی۔ مجرم کے پرفن اور خطرناک ہونے پر جاسوس کی عظمت کا دارومدار ہوتا ہے ۔ یہ بات اپنی جگہ مسلم ہے' لیکن اس میں آزمائش اور خطرہ یہ ہے کہ کہیں مجرم کا کردار جاسوس سے فائق اور اس پر غالب نہ ہو جائے۔ مارس لیبلانک اپنے افسانوں میں اسی آزمائش کا شکار ہو گیا۔ لوگ جاسوس کو بھولے رہتے ہیں اور صرف آرسین لوپن ذہنوں پر چھایا رہتا ہے ۔ ایسے لکھنے والے اس اہم بات کو بھول جاتے ہیں کہ معاشرے پر اس کا برا اثر پڑتا ہے۔ اس لئے کہ برائی اور اس کے نمائندوں کی غالب حیثیت غیر شعوری طور پر ہم سے اپنا اعتراف کراتی رہتی ہے ۔ یہ بات مون اسٹون ، شرلک ہومز کے سلسلے کے افسانوں اور دوسری اور تیسری صف کے انگریزی افسانہ نگاروں میں نہیں پائی جاتی۔ اس پر بھی کسی زمانے میں یہ آواز بلند ہوئی تھی کہ شرلک ہومز کے سلسلے کے افسانے سراغرسانوں کے مقابلے میں مجرموں کے لئے زیادہ مفید ثابت ہوتے ہیں۔ حالانکہ کونن ڈائل کے شرلک ہومز نے انگلستان، فرانس اور امریکہ کے محکمہ سراغ رسانی پر بڑا اثر ڈالا ہے اور یہ اثر غیر شعوری نہیں بلکہ شعوری ہے۔ آج شرلک ہومز کے بہت سے طریقے کھلے طور پر ان ملکوں کی پولیس اور ان کے سراغرساں استعمال کر رہے ہیں۔

مارس لیبلانک کے افسانوں کے بارے میں، میں نے جو کچھ کہا ہے وہی ظفر عمر کے سلسلہ بہرام کے افسانوں کے بارے میں کہا جا سکتا ہے۔ لیکن ایک خصوصیت ظفر عمر کے افسانوں میں بھی ایسی ہے جو بہت اطمینان بخش ہے اور وہ یہ ہے کہ انہوں نے زبان کی سطح اور ہلکی ادبی کیفیت کو قائم رکھا۔

بعض لکھنے والے ایسے ہوتے ہیں جن میں کوئی ادبی خصوصیت ہو یا نہ ہو صرف ان کی تصنیفوں کی تعداد کی بنا پر ان کو قابل ذکر سمجھنا پڑتا ہے۔ تیرتھ رام فیروز پوری بھی اردو کے ایسے ہی افسانہ نگاروں میں ہیں۔ شاید تخلیق یا اخذ کی صلاحیت ان میں نہیں تھی۔ اپنی اس کمی کو محسوس کرتے ہوئے انہوں نے اپنا دائرہ عمل ترجموں تک محدود رکھا اور پھر انہوں نے اتنے ترجمے کئے کہ ان کا احاطہ کرنا مشکل ہے۔ یہ سارے ترجمے عموماً انگریزی زبان سے کئے گئے ہیں۔ رنیالڈ' رائیڈر ہیگرڈ اور اسی حیثیت کے دوسری اور تیسری صف

کے انگریزی افسانہ نگاروں کے ترجمے وہ کرتے رہے جن میں کچھ ایسے افسانے ہیں جو پراسرار ہیں مثلاً رائیڈر ہیگرڈ کے ترجمے۔ اس سلسلے میں انہوں نے بعض جاسوسی ناولوں کے بھی ترجمے کئے لیکن ان جاسوسی افسانوں سے کوئی صنفی معیار قائم نہیں ہوتا۔ دوسری بات جو ایک باذوق پڑھنے والے کو تیرتھ رام فیروز پوری کے افسانوں میں کھٹکتی ہے وہ زبان کا نقص ہے۔ ترجمے کی دھن میں وہ زبان کے معیار اور اس کے محاورات کا لحاظ نہیں رکھتے۔

گذشتہ ایک چوتھائی صدی کے اندر اردو کے جاسوسی افسانوں اور ناولوں کو بڑا فروغ ہوا ہے۔ اور ان کی کثرت سے مانگ ہے اور آج جاسوسی افسانہ نگاروں کی تعداد ضرورت سے کچھ زیادہ ہی بڑھی ہوئی ہے۔ ان میں کچھ ایسے ہیں جو فنی صلاحیت رکھتے ہیں مگر زیادہ تر ایسے ہیں جو اپنی صلاحیت سے زیادہ عوام میں مانگ اور مقبولیت کی وجہ سے سراغرسانی اور جاسوسی کے افسانے لکھ رہے ہیں۔

میں اردو میں جاسوسی افسانے نہیں پڑھتا تھا بلکہ قصداً اس سے گریز کرتا تھا۔ بالکل اسی طرح جس طرح میں برصغیر میں اردو یا ہندوستانی میں بنائی ہوئی فلموں سے گریز کرتا رہا ہوں لیکن علی گڈھ کا ساڑھے دس سال کا قیام مجھے مستقل نجی زندگی کی الجھنوں میں مبتلا کئے رہا۔ اور باوجود ایک عظیم دانشگاہ ہونے کے مجھے ایسا محسوس ہوتا رہا کہ صحیح معنوں میں یہاں علم وادب کی کسی کو سنجیدگی کے ساتھ پرواہ نہیں ہے۔ اگرچہ یہ بھی حقیقت ہے کہ صلاحیت اور قابلیت رکھنے والوں کی علیگڈھ مسلم یونیورسٹی میں کمی نہیں ہے۔ ایسی فضا اور ان حالات میں اکثر میری ذہنی کیفیت کا تقاضا یہ ہوتا تھا کہ زندگی کے سنجیدہ مسائل اور موضوعات پر کتابیں نہ پڑھوں۔ مگر مجھے دو بجے رات تک وقت کاٹنا ہوتا تھا اور میں سرّی ادب بالخصوص جاسوسی ناولوں کی تلاش کرتا تھا۔ وقت کا گلا گھوٹتا تھا اور جب مجھے انگریزی میں کوئی نئی کتاب نہیں ملتی تھی تو اردو جاسوسی افسانوں کو حاصل کر کے پڑھتا تھا۔ اردو میں جاسوسی ادب کے مطالعے کی میرے لئے ابتدا یوں ہوئی۔

اول اول جن لکھنے والوں کو میں نے منتخب کیا وہ بالترتیب مسعود جاوید' ابن صفی اور اکرم الہ آبادی ہیں۔ مسعود جاوید ایک خاص سطح کے جاسوسی افسانے لکھتے تھے جن کے مطالعے سے معلوم ہوتا تھا کہ لکھنے والا ایک خاص تربیت یافتہ ذہنی اور فکری صلاحیت کا آدمی ہے۔ ان کی زبان عوام کی سطح سے قریب ہوتے ہوئے سبھی عیوب سے پاک ہوتی تھی۔ اور پھر انہوں نے بعض ایسے افسانے لکھے ہیں جن کا تعلق باطنیت یا ماورائیت سے ہے۔ اگرچہ

وہ جاسوسی بھی ہوتے ہیں لیکن شاید عرصے سے انہوں نے لکھنا ترک کر رکھا ہے۔اس عنوان کے دوسرے لکھنے والوں میں اکرم الہ آبادی اور ابن صفی کا نام ساتھ ساتھ ذہن میں آتا ہے۔ معلوم نہیں واقعی ایسا ہے یا نہیں لیکن میرا اپنا ایک مجموعی تاثر یہ ہے کہ ابن صفی اور اکرم الہ آبادی دونوں کے افسانے قصد و اہتمام کے ساتھ ایک دوسرے کے متوازی اور باہم متشابہ ہوتے ہیں۔ میں یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتا کہ ان میں کس نے کس کی تقلید کی۔ قیاس یہی کہتا ہے کہ اکرم الہ آبادی نے ابن صفی کی نقل اتارنے کی کوشش کی ہے۔غور کے ساتھ ہر مطالعہ کرنے والے کو یہ محسوس ہوگا کہ فریدی' حمید اور قاسم اختراعی کردار ہیں اور خان' بالے اور شوکت ان کے چربے ہیں۔کہیں کہیں یہ نقل پھوہڑ اور بھدی ہو جاتی ہے۔اردو میں جاسوسی ادب کے سلسلے میں جو اولین نام میں نے گنائے ہیں ان کے بعد ابن صفی ہی ایسے لکھنے والے ہیں جنہوں نے جاسوسی افسانے کو اپنا مستقل فن بنایا اور اسی پر آج تک اپنی تمام تر توجہ مرکوز کئے ہوئے ہیں۔ وہ مسلسل چھوٹے بڑے جاسوسی ناول لکھے جا رہے ہیں اور وہ اپنی سی پوری کوشش کرتے ہیں کہ چند مخصوص کرداروں سے افسانوں کی ساخت کے باوجود واقعات اور آغاز و انجام کے اعتبار سے ان میں تنوعات رہیں۔ ایسے تنوعات جو ایک افسانے کو پچھلے کسی افسانے کی چھاپ نہ بننے دیں۔انہوں نے جس ابن صفی کے بیشتر ناول میرے مطالعے سے ایک سے زائد بار گذر چکے ہیں اور میں نے اپنے طور پر ان کو دو خانوں میں رکھا ہے۔ایک تو وہ جن میں روزمرہ کے جرائم اپنی تمام نئی پیچیدگیوں کے ساتھ سامنے آتے ہیں۔۔ اور سراغرسانوں کا مخصوص گروہ ان کو بے نقاب کرنے اور متعلق مجرموں کو ٹھکانے لگانے میں بالآخر کامیاب ہوتا ہے۔ان ناولوں کی دوسری قسم وہ ہے جن میں مجرم یا مجرموں کا ایک مخصوص گرگا موجودہ سائنسی دنیا کے جدید ترین آلات اور ذرائع سے کام لیتا ہے اور سراغرسانوں کے لئے ان کا سراغ لگانا ایک جنگی مہم سے بھی زیادہ مشکل ہو جاتا ہے۔اسی قسم کے افسانوں کے تحت وہ افسانے بھی آتے ہیں جن میں غیر ملکی جاسوس وطن کے غداروں کے ساتھ مل کر جرم کا ایک پورا جال بن لیتے ہیں اور اکثر سراغرسانوں کی زندگی بھی خطرے اور ہلاکت میں پڑ جاتی ہے۔فریدی اور عمران کے سلسلوں کے تمام ناول انہی دو قسموں میں آجاتے ہیں۔

قرائن سے اندازہ ہوتا ہے کہ ابن صفی نے انگریزی کے بیشتر جاسوسی افسانے غور سے پڑھے ہیں اور اس مقصد سے پڑھے ہیں کہ ان کو کسی نہ کسی طرح برصغیر کی زندگی

کے مطابق بنا کر اردو میں پیش کیا جائے۔شرلک ہومز' گبوریو' مارس لیبلانک اور حال کے وہ انگریزی ناول نگار جو تجسس اور سراغرسانی کی بنیاد سائنس کی جدید ترین ہلاکت بار ایجادات پر رکھتے ہیں، ابن صفی کے مطالعے سے گذر چکے ہیں۔

سراغرسانی کا فن برصغیر ہندو پاک میں ابھی اتنا ترقی یافتہ نہیں ہے جتنا کہ مغربی ممالک میں ہے اور سراغرسانی کے لئے جن قابلیتوں اور سہولتوں کی ضرورت ہوتی ہے ان سے ہم آشنا تو ہو رہے ہیں لیکن ابھی وہ ہم کو خاطر خواہ میسر نہیں ہیں۔مثلاً جوہری عہد کے وہ آلات جن کے متعلق ہم پڑھا کرتے ہیں یا نبض اور دل کی دھڑکن سے انسان کے اندرونی حالات اور خیالات کا آلات کے ذریعے پتہ لگا لینا جن کی حیرت انگیز مثالیں دوسرے ممالک میں سننے میں آتی ہیں۔یہ تمام قابلیتیں اور سہولتیں اتنی عام نہیں ہیں جتنی کہ اردو کے جاسوسی افسانہ نگار اپنے افسانوں کے ذریعے ہمارے سامنے پیش کرتے ہیں۔ابن صفی کے افسانے دوسروں کے افسانے سے غنیمت ہوتے ہیں اور وہ تخیل اور محنت دونوں سے کام لے کر اپنے پڑھنے والوں میں سراغرسانی اور سائنسی اکتسابات دونوں کی عملی واقعیت کا احساس پیدا کرتے ہیں۔لیکن جن ملکی حالات و اسباب کا اوپر ذکر کیا گیا ہے ان کی وجہ سے یہ احساس بہت بڑی حد تک مبہم رہ جاتا ہے اور ذہنوں میں ان کے افسانوں کا صرف ایک خاکہ باقی رہ جاتا ہے۔ میرا مقصد تعریضی تنقید نہیں ہے۔ میں صرف چند حقیقتوں کو سمجھانا چاہتا ہوں۔سراغرساں کے لئے پہلی بات جو اساسی حیثیت رکھتی ہے' یہ ہے کہ اس کو ایک خاص ذہنی ساخت کا آدمی ہونا چاہیے اور شروع سے آخر تک تمام خارجی اسباب و ذرائع کے مہیا ہونے کے باوجود اس ذہنی ساخت کو نمایاں اور غالب رہنا چاہئے۔فریدی' حمید' عمران اور کسی حد تک انور کے اندر وہ خصوصیت موجود ہے جو کسی کو سراغرساں بنا سکتی ہے۔ لیکن عملاً قصے کے دوران اور اس کے انجام میں ان کا یہ ذہنی جوہر اتنا نمایاں طور پر کارفرما نہیں ہوتا جتنا کہ حالات کی اتفاقی صورتیں بروقت سراغرسانوں کی مدد کرتی ہیں۔سراغرسانی کے لئے دنیا لاکھ سائنسی ترقی کر جائے' ایک استقرائی یا منطقی ذہن کی ضرورت ہے جس کو شروع سے آخر تک کارفرما ہونا چاہئے۔ یہ کہہ دینے سے کام نہیں چلے گا کہ یہ ایک پرانا تصور ہے۔انسان بھی بہت پرانا جانور ہے اور مجرم بھی ہمارے معاشرے کا بہت پرانا جزو ہے۔ابن صفی کے کئی ناولوں میں شرلک ہومز اور دوسرے بڑے افسانوی سراغرسانوں کے ساتھ کچھ تمسخر کا انداز اختیار کیا گیا ہے۔ یہ کوئی نئی بات نہیں ہے جس کا الزام صرف ابن صفی کو دیں۔۔خود شرلک ہومز اور اگاتھا کرسٹی کا مشہور سراغرساں ہرکیول پوارو Hercule

Poirot اس کمزوری سے پاک نہیں ہیں۔ وہ بھی دوسرے مشہور اصلی یا افسانوی سراغر سانوں کا وقتاً فوقتاً مذاق اڑاتے رہتے ہیں۔ یہ کمزوری مجھے ان لوگوں میں بھی کھلی۔ اپنی عظمت برقرار رکھو۔ اس کے لئے ضروری نہیں ہے کہ دوسروں کی عظمت اور ناموری میں تیغ مین نکالو۔ زندگی اور افسانے دونوں میں شرافت کے اصول کو ملحوظ رکھنا چاہئے۔

ابن صفی کے ناولوں میں اول میں نے فریدی کے سلسلے تک اپنا مطالعہ محدود رکھا اور فریدی کا کردار مجھے سنجیدہ اور اس کے مخصوص پیشے کے لئے بہت موزوں معلوم ہوا۔ اس کی یہ ادا بھی مجھے پسند آئی کہ وہ اپنی انسپکٹری پر قائم رہا اور کسی اونچے منصب کو قبول نہیں کیا۔ وہ اونچے منصب والے کسی محکمے میں بھی کام کی صلاحیت رکھتے ہوئے کچھ زیادہ کام نہیں کرتا۔ لیکن فریدی کے کارناموں اور ان میں اس انہماک کے ساتھ تمام ادنی سے اعلیٰ منازل کو طے کرنے کے لئے وہ اپنی جیب سے جتنا خرچ کرتا ہے وہ ایک داستانی دولت Fabulous Walt کا متقاضی ہے جو اس دور میں بڑے بڑے جاگیردار یا سرمایہ دار کو میسر نہیں مگر اس کو ہم ایک تخیلی تصور Ideal concept کے طور پر قبول کر سکتے ہیں۔ جس طرح کی داستانوں میں ہم بہت سے فرضی اور خیالی حالات و واقعات کو بطیبِ خاطر قبول کر لیتے ہیں لیکن فریدی کی سنجیدگی کی خصوصیت غلو کی غیر فطری حد تک بڑھ گئی ہے۔ عورت سے بدکتے رہنا یا اس سے ہر موقع پر بدگمان یا برگشتہ رہنا' اس کو ہم ایک جنسی گریز کے طور پر برداشت کر سکتے ہیں جو کسی نہ کسی نفسیاتی گرہ سے متعلق ہوتا ہے۔ لیکن فریدی جا بجا عورتوں کے خلاف وعظ و پند کا لہجہ بھی اختیار کرتا رہتا ہے۔ یہ نہ صرف ایک غیر انسانی بات ہے بلکہ سرے سے غیر فطری ہے۔ ممکن ہے یہ حمید کی اس تفریح کا جواب ہو جو بغیر کسی عورت کے حمید کے لئے ممکن نہیں ہے مگر پھر بھی فریدی کا انداز بے انتہا غیر متناسب ہے۔ حمید سراغر سانی کی تمام صلاحیتیں رکھتا ہے اور بڑے کام کا آدمی ہے لیکن وہ ایسا مسخرا ہے جو بغیر مسخرے پن کے زندہ نہیں رہ سکتا۔ اس کا یہ مسخرہ پن بھی اکثر غیر ضروری حد تک طویل ہو جاتا ہے اور پڑھنے والوں میں کبھی بھی کسالت کا احساس پیدا کر دیتا ہے۔ حمید کے ساتھ ذہن معاً قاسم کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔ ابن صفی کے تمام کردار اچھوتے تو ہوتے ہی ہیں' قاسم بھی ایک اچھوتا کردار ہے اور اس کی حرکتیں بہت بڑی حد تک تفریح کا اچھا سامان بہم پہونچاتی ہیں۔ حمید کی شرارتوں سے بار بار زک کھا کر قاسم کی حمید کے ساتھ دوستی یقیناً قابل تحسین بات ہے۔ لیکن دو چار ناولوں کو پڑھنے کے بعد یہ محسوس ہوئے بغیر نہیں رہتا کہ قاسم اور حمید اپنی حرکتوں کو دہراتے چلے جا رہے ہیں۔ اور ان میں کوئی نیا پن نہیں آپاتا۔

جو پڑھنے والے سراغر سانوں کا صحیح تصور رکھتے ہیں ان کے ذہنوں میں یہ خلش

بھی رہ رہ کر سر اٹھاتی ہے کہ آخر جاسوسی کے لئے اتنی دھما چوکڑی اور اکھاڑے والی مار پیٹ کیوں ضروری ہے۔ مغرب کے جاسوسی افسانوں میں بھی کبھی کبھار ایسے مواقع آجاتے ہیں کہ جوجٹسو یا بائر ٹسو کے کچھ گر یا ملکی کشتیوں کے کچھ داؤ پیچ کے بغیر کام نہ چلے لیکن مغربی افسانوں میں یہ باتیں خال خال ہیں۔ اردو کے جاسوسی ناولوں میں اس کی بھرمار ہے اور پڑھنے والوں کو یہ احساس ہونے لگتا ہے کہ سراغر سانی تین چوتھائی پہلوانی اور دنگل ہے۔ یہ احساس عمران کے سلسلے کے افسانے پڑھنے سے اور زیادہ قوی ہو جاتا ہے۔ میں نے ابن صفی سے سوال کیا تھا کہ ایسا کیوں؟ تو انہوں نے مجھ سے کہا کہ عوام یہی چاہتے ہیں اور اس کے بغیر کتابوں کی اتنی مانگ نہ ہوگی جتنی کہ اس وقت ہے' میں چپ ہو رہا۔ اس لئے کہ ان کا کہنا صحیح بھی تھا اور معیار سے پست بھی۔ خالص سوداگری یا تجارتی نقطہ نظر سے یہ بات صحیح ہے لیکن کسی ایک لکھنے والے کا فرض یہ بھی ہے کہ وہ عوام کی مانگ کو مدنظر رکھتے ہوئے دھیرے دھیرے ان کی سطح شعور کو بلند کرتا رہے۔ اس طرح کہ وہ کسی قسم کی تکان یا گرانی محسوس نہ کریں۔ لیکن ہم اپنے ملک کے حالات اور ترقیاتی رفتار کو مدنظر رکھتے ہوئے ان خامیوں سے قطع نظر کر سکتے ہیں۔

ابن صفی کے ناولوں میں ایک بہت بڑی حد تک اطمینان بخش خصوصیت یہ ہے کہ ان میں زبان کا معیار قائم رکھنے کی کوشش کی گئی ہے۔ ہم یہ تو نہیں کہہ سکتے کہ یہ خصوصیت ادب کے اعلیٰ میزان پر بھی پوری اترتی ہے مگر پھر بھی ابن صفی اپنے افسانوں میں زبان کی دلکشی اور تھوڑی بہت ادبی چاشنی قائم رکھنے میں کامیاب رہتے ہیں۔ اس کو تسلیم کرتے ہوئے بھی ان سے کچھ شکایتیں باقی رہتی ہیں۔ مثلاً وہ بلاوجہ بعض ترکیبیں ایجاد کرتے ہیں جو نہ صرف غیر ضروری ہوتی ہیں بلکہ بے معنی بھی۔ ایک ترکیب سے ابن صفی کو بڑا شغف معلوم ہوتا ہے اور وہ ہے 'تشویش کن' جس سے ان کا کوئی ناول خالی نہیں ہوتا بلکہ بعض ناولوں میں تو ہر صفحے پر اسی ایجاد سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ تشویش کن' کے کوئی معنی نہیں ہیں۔ اگر اس کے کوئی معنی نکلتے تو اسے گوارہ کر لیا جاتا۔ وہ تشویش کن کو بھی ''پرتشویش'' کے معنوں میں استعمال کرتے ہیں۔ کبھی 'تشویشناک' مراد ہوتی ہے اور کبھی 'تشویش انگیز' سمجھ میں نہیں آتا کہ ان تین مستعمل اور بامحاورہ ترکیبوں کے ہوتے ہوئے وہ ''تشویش کن'' کی ترکیب کیوں استعمال کرتے ہیں۔ اسی طرح کے بعض الفاظ ہندی اور فارسی لاحقہ سابقہ کے ساتھ استعمال کئے گئے ہیں جو نہ تو عوام کی زبانوں پر چڑھ سکتے ہیں اور نہ خواص میں مقبول ہو سکتے ہیں۔ یہ سچ ہے کہ اردو زبان میں روز اول سے بعض الفاظ ایسے ملتے ہیں جو ہندی اور فارسی لاحقوں اور سابقوں سے بنے ہیں لیکن وہ زبانوں پر چڑھ گئے ہیں اور

روزمرہ میں داخل ہو گئے ہیں لیکن ہر ایسا اجتہاد قبول عام حاصل نہیں کر سکتا۔ ایک جگہ ابن صفی نے صلواتیں کا لفظ استعمال کیا ہے جو طباعت میں ''ص'' سے ہے مگر ذیلی حاشیے میں مصنف نے یہ نوٹ لگایا ہے کہ یہ کاتب کی غلطی ہے اور وہ خود ''س'' سے ''سلواتیں'' لکھتے ہیں اور اس کو جائز سمجھتے ہیں۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ ایسا کیوں لکھتے ہیں[۴] اور اس کو جائز کیوں سمجھتے ہیں۔ ''صلواتیں'' گالیوں کے معنوں میں نظم ونثر کے اساتذہ استعمال کرتے آئے ہیں لیکن انہوں نے ہمیشہ اس لفظ کو ''ص'' سے لکھا ہے شاید ابن صفی کو یہ نہیں معلوم کہ صلواتیں' گالیوں کے معنی میں اول اول طنز کے طور پر استعمال ہوا' پھر یہ لفظ ان معنوں میں محاورہ بن گیا۔ بالکل اسی طرح جس طرح عربی میں ''بصیر'' کے معنی بینائی والے کے ہیں لیکن وہ طنز کے طور پر محاورے میں اندھے کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ اردو میں شمس العلماء ڈاکٹر نذیر احمد نے ''صلواتیں'' ''ص'' ہی سے لکھا ہے اور ان کا یہ شعر مشہور ہے:

مجھے حضرت سلامت کہہ کے صلواتیں سناتے ہیں
غضب کی شوخیاں ہیں ان کے دشنام مؤدب میں

ان چند خامیوں سے برطرف ہو کر ابن صفی کی زبان ایسے معیار کی ہوتی ہے جو تعلیم یافتہ طبقے میں بھی قبول اور پسند کی جائے۔ ان کی زبان میں ادبی چاشنی بھی ہوتی ہے اور محاوروں کا لطف بھی ہوتا ہیا بتدا میں ذکر کر چکا ہوں' ان سے برطرف ہو کر ہم کو یہ ماننا پڑے گا کہ اردو میں جدید جاسوسی افسانے کی ایک مستقل صنف کی حیثیت سے ابن صفی نے ابتداء کی۔ وہ اب تک لکھے جا رہے ہیں' اور ان کی تقلید میں نوجوان جاسوسی افسانہ نگاروں کی ایک بڑی تعداد پیدا ہو گئی ہے۔ بعض لوگوں کو شکایت ہے کہ ان کے بہت سے افسانوں میں واقعات کردار اور مواقع کے اعتبار سے یکسانی پیدا ہو گئی۔ ایک حد تک یہ شکایت بجا ہے مگر جو شخص معاشرے کے ایک ہی پہلو کو لے کر اتنے افسانے یا ناول لکھے گا اس کے یہاں کسی نہ کسی حد تک یکسانی پیدا ہو جائے گی۔ لیکن چند کو چھوڑ کر ان کے ناول عام طور سے ہم کو تھکاتے نہیں بلکہ وقت گذاری کے لئے اچھا ذریعہ ہوتے ہیں۔

آخر میں ابن صفی سے اور اسی گروہ کے دوسرے لکھنے والوں سے مجھے یہ کہنا ہے کہ وہ لکھتے وقت زبان کا بہر حال خیال رکھیں۔ اس لئے کہ ان کے افسانے اور ناول ہزاروں کی تعداد میں نوجوان پڑھتے ہیں۔ ایسا نہ ہونا چاہئے کہ ان کے مطالعے سے نئی نسل کی زبان بگڑ کر رہ جائے اور اس کا ادبی ذوق جو ابھی زیر تربیت ہے' خراب ہو جائے۔

(())(())(())(())(())

لکھی نہ جا سکی اپنی ہی داستاں

ابن صفی------- مختصر سوانح حیات

محمد حنیف

ابن صفی ۲۶، جولائی ۱۹۲۸ء کو الہ آباد ڈسٹرکٹ کے گاؤں نارہ میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد صفی اللہ اور والدہ نزیرہ بی بی نے ان کا نام اسرار احمد رکھا۔ اسرار احمد کا خاندان نارہ کے راجہ ویشدر دیال سنگھ سے تعلق رکھتا تھا جو قبول اسلام کے بعد بابا صدیقی کے نام سے معروف ہوئے۔ ان کا مزار آج بھی نارہ میں موجود ہے۔ ابن صفی کے والدین کا تعلق ایک جاگیر دار گھرانے سے تھا۔ ان کے دادا مولوی عبدالفتح تقسیم سے قبل ایک اسکول ٹیچر تھے۔ والدہ نزیرہ بی بی کا خاندان حکیموں کا خاندان کہلاتا تھا۔ والدہ کے چچا، تایا حکیم احسان علی اور حکیم رحمان علی نے طب پر مستند کتابیں چھوڑی ہیں۔ ان کی فارسی کتابیں طب رحمانی اور طلب احسانی عرصے تک ہندوستان کے طبی مدارس میں شامل نصاب تھیں۔ نزیرہ بی بی نے بڑی شفقت اور محنت سے اسرار احمد کی پرورش کی اور اس بات کو یقینی بنایا کہ انھیں بہتر دوستوں کی صحبت اور اچھے تعلیمی مواقع میسر آ سکیں۔

اسرار احمد کے بھائی ایثار احمد اور بہن غفیرہ خاتون بچپن میں ہی فوت ہو گئے تھے۔ البتہ ان کی بہن عذرا رحمان (بلاغت خاتون) اور ان کا ساتھ ساری زندگی رہا۔

اسرار احمد نے ابتدائی تعلیم نارہ کے پرائمری اسکول میں جبکہ ثانوی تعلیم مجیدیہ اسلامیہ ہائی اسکول میں حاصل کی۔ جب وہ آٹھ برس کے تھے تو انھیں طلسم ہوش ربا کی پہلی جلد پڑھنے کا اتفاق ہوا مگر زبان کے ثقیل ہونے کے باعث وہ اسے اچھی طرح نہ سمجھ پائے لیکن اس کی کہانی نے ان کے تخلیقی ذہن پر گہرا اثر مرتب کیا اس کے بعد انھوں نے طلسم ہوش ربا کی ساتوں جلدوں کو بار بار پڑھا ڈالا۔

اسرار احمد نے کم عمری میں ہی نثر لکھنا شروع کر دیا تھا۔ جب وہ ساتویں درجے میں پہنچے تو عادل رشید کے زیر ادارت شائع ہونے والے ہفت روزہ ''شاہد'' میں ان کی پہلی کہانی ''ناکام آرزو'' شائع ہوئی۔ آٹھویں درجے میں آنے کے بعد شاعری بھی شروع کر دی۔ جگر مرادآبادی حواس پر چھائے ہوئے تھے چنانچہ ابتدا غزلیات سے ہوئی۔

اس دوران ان کے والدین الہ آباد منتقل ہو گئے اور حسن منزل کے فلیٹ نمبر پندرہ اور سولہ میں قیام پذیر ہوئے چنانچہ اسرار احمد نے میٹرک ڈی۔ اے۔ وی اسکول الہ آباد

سے کیا۔انہی دنوں رائیڈر ہیگرڈ کی "She"اور "Return of She" کا اردو ترجمہ عذرااور عذرا کی واپسی کے نام سے پڑھنے کا موقع ملا۔جس نے ان کے ذہن کو اسراریت کی طرف آمادہ کیا۔میٹرک میں پہنچے تو بے بی کمیونسٹوں کا ساتھ ہو گیا جس کے باعث ان کی شاعری میں ظالم سماج اور سرمایہ دار در آئے۔لیکن دوسری جنگ عظیم کے باعث بدلتے ہوئے حالات نے انھیں کمیونسٹوں سے برگشتہ کر دیا۔ان دنوں ترقی پسندی کا بھی بڑا چرچا تھا۔چنانچہ اسرار احمد بھی اپنے آپ کو اس سے دور نہ رکھ سکے۔جس کے نتیجے میں ان کے بھی وارنٹ گرفتاری جاری ہوئے۔

اسرار احمد نے انٹرمیڈیٹ کی تعلیم ایونگ کرسچین کالج الٰہ آباد میں حاصل کی۔یہ ایک مخلوط تعلیمی ادارہ تھا جہاں آپ کی شاعری پروان چڑھتی رہی۔کالج کے دوسرے سال بزم ادب کی صدارت ان کے حصے میں آئی چنانچہ سالانہ مشاعرے میں ان کی پڑھی جانے والی نظم ''بنسری کی آواز'' کو بے حد داد ملی۔

۱۹۴۷ء میں اسرار احمد جب الٰہ آباد یونی ورسٹی پہنچے تو ڈاکٹر سید اعجاز حسین کے لیکچرز نے ذہنی نشو ونما کے نئے باب کھول دیئے۔لیکن یہ عرصہ کافی مختصر رہا کیوں کہ آزادی ہندوستان کی تحریک زور پکڑ چکی تھی۔اس سلسلے میں یونی ورسٹی میں بھی خنجر زنی کی ایک واردات ہوگئی چنانچہ بزرگوں نے آپ کا یونی ورسٹی جانا بند کرا دیا۔جب ۱۹۴۸ء میں تقسیم پاک و ہند کے بعد حالات معمول پر آئے تو دوبارہ داخلے کی ہمت اس لیے نہیں پڑی کہ ان کے ساتھی اگلے درجے میں پہنچ چکے تھے۔

الٰہ آباد یونی ورسٹی میں پرائیویٹ امیدواروں کے لیے کوئی گنجائش نہیں تھی۔یو پی میں صرف آگرہ یونی ورسٹی ایسے طلبا کا واحد سہارا تھی۔لیکن شرط یہ تھی کہ امیدوار کو کسی ہائی اسکول میں معلّمی کا دو سال کا تجربہ ہونا چاہیے۔چنانچہ پہلے اسلامیہ اسکول الٰہ آباد اور اس کے بعد یادگار حسین اسکول میں پڑھایا۔اس طرح انھوں نے آگرہ یونی ورسٹی سے بی۔اے کیا۔اس دوران ادبی ذوق کے باعث ان کے مراسم عباس حسینی اور ان کے بھائی جمال رضوی (شکیل جمالی) سے ہو گئے اور یوں ایک نئے گروپ کی تشکیل ہوئی جس میں عباس حسینی کے کزن سرور جہاں (مشہور مصور سرور جہاں عابدی)، مجاور حسین رضوی (ابن سعید) ڈاکٹر راہی معصوم رضا، اشتیاق حیدر، یوسف نقوی، حمید قیصر، قمر جائسی، نازش پرتاب گڑھی اور تیغ الٰہ آبادی (مشہور شاعر مصطفیٰ زیدی) شامل تھے۔

۱۹۴۸ء میں عباس حسینی نے ایک ادبی رسالہ ماہنامہ ''نکہت'' کی داغ بیل ڈالی۔اسرار احمد حصہ نظم اور مجاور حسین نے حصہ نثر سنبھال لیا۔اس دوران اسرار احمد نے ادب کی مختلف اصناف میں طبع آزمائی شروع کی اور سنکی سولجر اور طغرل فرغان کے قلمی ناموں سے کہانیاں اور طنز و مزاح پر مشتمل مضامین لکھنے لگے۔

اتنا کچھ لکھنے کے باوجود اسرار احمد اپنی تحریروں سے مطمئن نہیں تھے۔آٹھ برس کا وہ لڑکا جس نے طلسم ہوش ربا کو اچھی طرح سے کھنگال ڈالا تھا اور جس کے ذہن پر رائیڈر ہیگرڈ کی پراسرار زمین اور واقعات و اسرار نے قبضہ جما رکھا تھا وہ انھیں کچھ اور کرنے پر اکساتا رہا۔

۱۹۵۱ء کے اواخر میں ایک ادبی نشست کے دوران کسی نے کہا کہ اردو میں صرف وہ کہانیاں مقبولیت کا درجہ پا سکتی ہیں جن میں جنسیت کا عنصر شامل ہو۔اسرار احمد نے اس سے اختلاف کیا اور وعدہ کیا کہ وہ اس کا متبادل سامنے لائیں گے۔اسرار احمد کے مشورے سے عباس حسینی نے ماہنامہ ''جاسوسی دنیا'' کا اجرا کیا۔جس کے تحت اسرار احمد نے ابن صفی کے قلمی نام سے پہلا ناول ''دلیر مجرم'' لکھا۔یہ ناول مارچ ۱۹۵۲ء میں شائع ہوا۔اس ناول کا پلاٹ وکٹر گن کے ناول آئرن سائڈز لون ہینڈ سے ماخوذ تھا جبکہ فریدی اور حمید کے کردار ابن صفی کے اپنے تخلیق کردہ تھے۔دلیر مجرم کے بعد ابن صفی باقاعدگی سے جاسوسی دنیا کے لیے ہر ماہ ناول لکھتے رہے اور ان کی تحریروں کے چاہنے والوں کی تعداد دن بدن بڑھتی رہی۔

اگست ۱۹۵۳ء میں جبکہ جاسوسی دنیا کے سات ناول شائع ہو چکے تھے ابن صفی اپنی والدہ اور بہن کے ہمراہ پاکستان ہجرت کر گئے جہاں ان کے والد صفی اللہ اپنے کام کے سلسلے میں پہلے سے کراچی میں مقیم تھے۔ابن صفی نے جاسوسی دنیا کا آٹھواں ناول ''مصنوعی ناک'' دوران سفر تحریر کیا۔کراچی آ کر ابن صفی پہلے پہل C-1 ایریا لالوکھیت (لیاقت آباد) میں رہائش پزیر ہوئے۔پاکستان آ کر بھی ابن صفی تواتر کے ساتھ ہر ماہ جاسوسی دنیا کے لیے ناول تحریر کرتے جو کہ جاسوسی دنیا الٰہ آباد ہی سے شائع ہوتے رہے۔۱۹۵۳ء میں جب ان کی عمر صرف ۲۵ برس تھی وہ برصغیر پاک و ہند میں اردو پڑھنے والوں کے حواسوں پر چھا چکے تھے۔لوگ بے چینی سے ہر ماہ ان کے ناول کا انتظار کرتے اور ۹ آنے قیمت کا ناول کئی گنا زیادہ قیمت پر خریدنے کو تیار ہو جاتے۔

۱۹۵۳ء میں ابن صفی ''ام سلمی خاتون'' کے ساتھ رشتۂ ازدواج میں منسلک ہو گئے ۔ سلمٰی خاتون ۱۲، اپریل ۱۹۲۸ء کو پیدا ہوئیں ۔ان کے والد محمد امین احسن سلطان پور ،انڈیا میں ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولس کے عہدے پر فائز تھے ۔ان کی والدہ کا نام ریاض فاطمہ بیگم تھا۔ سلمٰی خاتون کا تعلق ایک تعلیم یافتہ مذہبی گھرانے سے تھا۔ مشہور شاعر محمد احسن وحشی ان کے دادا جبکہ چچا مولانا نجم احسن ،مولانا اشرف علی تھانوی کے خلیفہ تھے ۔ سلمٰی خاتون کے بھائی مکین احسن کلیم روزنامہ مشرق لاہور کے چیف ایڈیٹر رہے اور ان کی بہن صفیہ صدیقی کا شمار بھی اچھے لکھنے والوں میں ہوتا ہے۔

۱۹۵۵ء میں ابن صفی نے ایک نیا کردار ''عمران'' تخلیق کر کے عمران سیریز کا آغاز کیا۔اس سلسلے کا پہلا ناول ''خوفناک عمارت'' اگست ۱۹۵۵ء میں اے اینڈ ایچ پبلیکیشنز ،۱۳، حسن علی آفندی روڈ، کراچی سے شائع ہوا۔الٰہ آباد میں عمران سیریز کے پہلے دو ناول ''خوفناک عمارت'' اور ''چٹانوں میں فائر'' ماہنامہ نکہت کے تحت عباس حسینی نے ''عمران کے کارنامے'' کے عنوان سے اکتوبر ۱۹۵۵ء میں شائع کیے۔عمران کے کردار کو بھی قارئین نے ہاتھوں ہاتھ لیا اور یوں ہر ماہ جاسوسی دنیا اور عمران سیریز کے ناول باقاعدگی سے شائع ہونے لگے۔ ۱۹۵۶ء میں جاسوسی دنیا کی شعلہ سیریز نے ایک تہلکہ مچا دیا اور ابن صفی کی شہرت آسمانوں کو چھونے لگی۔

ابتدائی طور پر انڈیا میں عمران سیریز کے ناول ماہنامہ نکہت الٰہ آباد کے تحت شائع کیے جاتے تھے ۔عمران کے کارنامے اس قدر مقبول ہوئے کہ ۱۵، دسمبر ۱۹۵۵ء کو نکہت کے ''ناول نمبر'' میں اس کا دوسرا ایڈیشن شائع کیا گیا۔

عمران سیریز کا چوتھا ناول ''بھیانک آدمی'' جاسوسی دنیا کے تحت شمارہ ۴۹ کے طور پر مارچ ۱۹۵۶ء میں شائع ہوا۔اس کی وجہ جاسوسی دنیا کے گولڈن جوبلی ناول ''شعلوں کا ناچ'' کی اشاعت میں تاخیر تھی ۔اکتوبر ۱۹۵۶ء میں نکہت نے ''عمران نمبر'' کے عنوان سے ''جہنم کی رقاصہ'' اور ''سانپوں کے شکاری'' یکجا کر کے شائع کیے ۔نومبر ۱۹۵۷ء میں ''عمران کی جاسوسی'' کے عنوان سے نکہت نے ''دھوئیں کی تحریر'' اور ''لڑکیوں کا جزیرہ'' ایک ہی جلد میں شائع کیے۔ بالآخر دسمبر ۱۹۵۷ء میں عباس حسینی نے فیصلہ کیا کہ عمران سیریز کو ماہنامہ نکہت کے زیر اہتمام مستقل طور پر ہر ماہ شائع کیا جائے اور اس کی ابتدا عمران سیریز کے جو بیسویں ناول ''پاگل کتے'' سے ہوئی۔

ابن صفی کی شخصیت اپنے قارئین کے لیے اب تک اسرار میں گم تھی ۔ چنانچہ

قارئین کی بے حد فرمائش پر ابن صفی کی تصویر پہلی مرتبہ گولڈن جوبلی ''شعلوں کا ناچ'' میں اپریل ۱۹۵۶ء میں شائع ہوئی اور یوں لاکھوں مداح ان کی صورت سے آشنا ہوئے۔

اکتوبر ۱۹۵۷ء میں ابن صفی نے اسرار پبلیکیشنز لالوکھیت کراچی کی بنیاد ڈالی اور یہاں سے جاسوسی دنیا کا جو ناول پہلے پہل شائع ہوا وہ ''ٹھنڈی آگ'' تھا۔ یہ ناول بیک وقت الٰہ آباد سے بھی شائع ہوا۔

۱۹۵۸ء میں ابن صفی اپنے نئے تعمیر شدہ مکان ناظم آباد نمبر ۲ میں منتقل ہو گئے جہاں انھوں نے اپنی زندگی کے بقیہ ماہ و سال گزارے۔اس کے ساتھ ہی جنوری ۱۹۵۹ء میں اسرار پبلیکیشنز ،فردوس کالونی کراچی نمبر ۱۸ میں منتقل ہوگئی۔دفتر کے باوجود ابن صفی اپنے تخلیقی کاموں کے لیے گھر میں لکھنا زیادہ پسند کرتے تھے ۔عمران سیریز کے آغاز کے بعد ابن صفی ہر ماہ دو سے چار ناول لکھ ڈالتے تھے۔ جون ۱۹۶۰ء تک ابن صفی جاسوسی دنیا کے ۸۸ (پرنس وحشی) اور عمران سیریز کے ۴۱ (بے آواز سیارہ) ناول لکھ چکے تھے۔اس دوران انھوں نے جاسوسی دنیا کے میگزین ایڈیشن کا بھی اجرا کیا۔ یہ پاکستان میں ڈائجسٹ کی ابتدائی شکل تھی ۔اس کا پہلا شمارہ نومبر ۱۹۵۹ء میں شائع ہوا لیکن اس کے چار شمارے ہی شائع ہو پائے ۔اس تیز رفتار تخلیقی عمل سے وہ ذہنی طور پر بیمار ہو گئے اور شیزوفرینیا اور نروس بریک ڈاؤن کا شکار ہو گئے ۔ چنانچہ ۱۹۶۰ء سے ۱۹۶۳ء کے دوران وہ کچھ نہ لکھ پائے ۔ بالآخر قریبی عزیزوں، دوستوں اور لاکھوں مداحوں کی دعاؤں کے علاوہ حکیم اقبال حسین کے علاج سے وہ صحت یاب ہوئے۔

۲۵، نومبر ۱۹۶۳ء کو ایک طویل انتظار کے بعد ابن صفی کی عمران سیریز کا ۴۲ واں ناول ''ڈیڑھ متوالے'' منظر عام پر آیا جس نے برصغیر پاک و ہند میں مقبولیت کے تمام ریکارڈ توڑ دیئے ۔ ہندوستان میں اس ناول کی تقریب رونمائی آنجہانی لال بہادر شاستری نے کی جو کہ اس وقت وزیر مواصلات تھے ۔ایک ہفتے کے بعد ہی اس ناول کا پہلا ایڈیشن فروخت ہو گیا۔ کئی شہروں میں یہ ناول بلیک میں فروخت ہوا۔اس لیے اس کا دوسرا ایڈیشن شائع کرنا پڑا جس کی تقریب رونمائی صوبائی وزیر قانون جناب علی مظہر نے کی۔

صحت یابی کے بعد انھوں نے معالج کی ہدایت کے مطابق لکھنے کے عمل میں آہستگی پیدا کی ۔ چنانچہ روزنامہ حریت میں ''ڈاکٹر دعا گو'' کے عنوان سے عمران سیریز کا ناول قسط وار لکھنا شروع کیا۔اس کے بعد ''جونک کی واپسی'' اور ''زہریلی تصویر'' بھی قسط وار چھپتے رہے۔ یہ ناول ہفتے میں دو بار اتوار اور بدھ کو شائع ہوتے تھے۔

۱۹۶۵ء کے دوران ابن صفی کے ناولوں کے یک رنگ ایڈیشن لاہور سے شائع

ہونا شروع ہوئے ۔۲۷، جون ۱۹۶۷ء کو ابن صفی کے والد صفی اللہ اس دنیا سے رخصت ہو گئے ۔اس دوران ابن صفی جاسوسی دنیا کا پلاٹینم جوبلی نمبر ''دیو پیکر درندہ'' تحریر کر رہے تھے ۔۷۰، کی دہائی میں قومی ادارے آئی ایس آئی کی درخواست پر جاسوسی کے بنیادی طریق کار پر چند لیکچرز بھی دیئے ۔

ابن صفی نے ۱۹۷۳ء میں فلم پروڈیوسر نواب محمد حسین تالپر المعروف بہ مولانا ہپی کی فرمائش پر فلم ''دھماکہ'' کی کہانی لکھی جو کہ عمران سیریز کے ناول ''بے باکوں کی تلاش'' پر مبنی تھی ۔اس فلم کو ہدایت کار قمر زیدی نے ڈائریکٹ کیا ۔ابن صفی نے اس فلم کے مکالمے اور گیت بھی لکھے ۔حتیٰ کہ ہیروئن کے کپڑے بھی انھوں نے ڈیزائن کیے ۔فلم میں جاوید شیخ نے ظفر الملک اور مولانا ہپی نے جیمس کے کردار ادا کیے ۔''بیباکوں کی تلاش'' کی صبیحہ کا کردار شبنم نے بخوبی ادا کیا ۔عمران اور ایکس ٹو کی ٹیم کو اس فلم میں پیش کرنے سے احتراز کیا گیا ۔X2 کی آواز کے لیے ابن صفی نے اپنی آواز دی ۔یہ فلم کراچی میں ۱۳، دسمبر ۱۹۷۷ء کو ریلیز ہوئی لیکن چند تکنیکی وجوہ کی بناء پر خاطر خواہ کامیابی نہ حاصل کر سکی ۔

جنوری ۱۹۷۷ء میں مشتاق احمد قریشی نے ابن صفی میگزین کے عنوان سے ایک نئے ڈائجسٹ کا اجرا کیا ۔ابن صفی اس کے اعزازی مدیر اعلیٰ تھے ۔بعد میں چند قانونی دشواریوں کے باعث اس ڈائجسٹ کا نام نئے افق کر دیا گیا ۔

مارچ ۱۹۷۷ء کے الیکشن کے دوران پاکستان ٹیلی وژن ،اسلام آباد سینٹر نے عمران سیریز کے ناول ''ڈاکٹر دعا گو'' کی ڈرامائی تشکیل کی ۔اس کا اسکرپٹ حمید کاشمیری نے تحریر کیا اور اداکار قوی خان نے عمران کا کردار ادا کیا ۔پی ٹی وی نے اس کی اشتہاری فلم بھی نشر کی ۔لیکن الیکشن کے منسوخ ہو جانے کے بعد یہ ڈراما بھی نہ نشر ہو سکا ۔بعد میں مارشل لا حکام نے الیکشن کا سارا ریکارڈ ضبط کر لیا اور یوں یہ ڈراما کہیں ردی کی نظر ہو گیا ۔

۱۸، جون ۱۹۷۸ء کو ابن صفی کی والدہ کا انتقال ہو گیا ۔ابن صفی نے ان کی جدائی کے کرب کو اپنی نظم ''ماں'' میں سمو دیا ۔

ستمبر ۱۹۷۹ء میں ابن صفی کے پیٹ میں درد اٹھا تو انھیں ہسپتال لے جایا گیا ۔وقتی طور پر تکلیف رفع ہو گئی تو گھر واپس آ گئے ۔اس برس دسمبر میں یہ تکلیف دوبارہ ہوئی تو جناح ہسپتال کے اسپیشل وارڈ میں داخل کرایا گیا ۔اس وقت ڈاکٹر اس نتیجے پر پہنچ گئے کہ انھیں لبلبے کا کینسر ہے ۔فیملی فزیشن ڈاکٹر سعید اختر زیدی اور ایک ڈاکٹر قمر الدین صدیقی نے ان کا علاج کیا لیکن کوئی افاقہ نہیں ہوا ۔پھر آخری دنوں میں جنرل فزیشن ڈاکٹر رب اور کینسر اسپیشلسٹ سید حسن منظور زیدی نے بھی ان کا علاج کیا لیکن مشیت کو کچھ اور ہی منظور تھا

۔دسمبر ۱۹۷۹ء سے جولائی ۱۹۸۰ء کے درمیان ان کی صحت تیزی سے گر رہی تھی لیکن انھوں نے لکھنا نہیں چھوڑا ۔ہفتہ ۱۲، جولائی ۱۹۸۰ء بمطابق ۱۲، رمضان المبارک ۱۴۰۰ھ کو فجر کے قریب اپنے چاہنے والوں کو روتا چھوڑ کر ابن صفی ہمیشہ کے لیے اس دنیا سے رخصت ہو گئے ۔ان کا نامکمل عمران سیریز کا آخری ناول ''آخری آدمی'' ان کے سرہانے رکھا تھا ۔

ابن صفی نے پسماندگان میں اپنی اہلیہ سلمیٰ خاتون کے علاوہ چار صاحبزادے اور تین صاحبزادیوں کو سوگوار چھوڑا ۔

۱۔ ڈاکٹر ایثار احمد صفی، ماہر امراض چشم ،ان کا انتقال ۳، جولائی ۲۰۰۵ء ہوا

۲۔ ابرار احمد صفی، میکانیکل انجینئر ،امریکا میں رہائش پزیر ہیں ۔

۳۔ ڈاکٹر احمد صفی، مکانیکل انجینئر ،معاش کے سلسلے میں لاہور میں مقیم ہیں ۔

۴۔ افتخار احمد صفی، الیکٹریکل انجینئر ،ریاض ،سعودی عرب میں رہائش پزیر ہیں ۔

صاحبزادیوں میں نزہت افروز، ثروت اسرار اور محسنہ صفی شامل ہیں ۔ابن صفی کی اہلیہ جمعرت ۱۲، جون ۲۰۰۳ء کو اس دنیا سے انتقال فرما گئیں ۔

ابن صفی نے جاسوسی دنیا اور عمران سیریز کے علاوہ بھی چند کتابیں لکھیں جن کے نام حسب ذیل ہیں :

۱۔ پرنس چلی ۔یہ ناول دلکش سیریز میں اولاً ''زلفیں پریشاں ہو گئیں'' کے عنوان سے شائع ہوا لیکن بعد میں مزید اضافہ کے ساتھ پرنس چلی کے نام سے شائع ہوا ۔

۲۔ آدمی کی جڑیں ۔یہ نفسیاتی ناول ابن صفی نے جاسوسی دنیا کے میگزین ایڈیشن کے لیے لکھنا شروع کیا تھا جو کہ نامکمل رہ گیا ۔

۳۔ بلدران کی ملکہ ۔معزز کھوپڑی، گلتر نگ، شمال کا فتنہ، ان کی تخلیق کردہ ریاستوں شکرال، قلاق، اور کراغال کی نمائندہ طویل کہانیاں ہیں ۔

۴۔ ''اب تک تھی کہاں''، مصر کے اساطیری ماحول میں پروان چڑھی ایک پراسرار کہانی جو کہ عالمی ڈائجسٹ میں قسط وار شائع ہوئی ۔

۵۔ ''ڈپلومیٹ مرغ''۔''ساڑھے پانچ بجے''، ابن صفی کے لکھے گئے طنزیہ اور مزاحیہ مضامین کے مجموعے

۶۔ ''تزک دوپیازی''۔دوپیازہ کی آپ بیتی جو کہ پیروڈی کے طور پر لکھی گئی ۔

(())(())(())(())(())

ابن صفی کا نظریہ

راشد اشرف۔کراچی

مارچ ۱۹۵۲ میں اپنے قاری کی ذہنی تربیت کا بیڑہ اٹھانے والے اسرار احمد المعروف ابن صفی ۲۶ جولائی ۱۹۸۰ کو انتقال کر گئے تھے۔اس درمیانی عرصے میں انہوں نے عمران سیریز اور جاسوسی دنیا کے تحت کل ۲۴۵ ناول تحریر کیے۔اپنی تحریروں کے ذریعے انہوں نے اپنے قاری کو کیا پیغام دیا،اس کا ذکر اک ذرا توقف کے بعد، پہلے یہ دیکھیے کہ ہمارا محبوب مصنف اپنی ابتدائی عمر میں کن نظریات سے متاثر رہا۔اپنے مضمون بقلم خود میں ابن صفی لکھتے ہیں:

''میٹرک میں پہنچتے ہی بے پی کمیونسٹوں کا ساتھ ہو گیا۔یہ ایسے 'بچہ لوگ' تھے جنہوں نے کبھی پارٹی آفس کی شکل تک نہیں دیکھی تھی۔کھدر پہنتے تھے'بال بڑھاتے تھے اور گڈری بازار (الہ آباد کا جون مارکٹ) سے آٹھ آٹھ آنے کی پرانی عینکیں خریدلاتے تھے اور کمیونسٹ کہلائے جانے کے شوق میں اچھی بھلی آنکھوں کا تیا پانچہ کر بیٹھتے تھے۔بہرحال ان کا ساتھ ہوتے ہی ظالم سماج اور سرمایہ داری میری شاعری میں گھس آئے تھے۔ان دنوں محلے کے بنیے کو سرمایہ دار سمجھتا تھا اور اپنی برادری ظالم سماج معلوم ہوتی تھی۔کیونکہ برادری سے باہر شادی کرنے پر سخت ترین پابندیاں عائد تھیں۔لہٰذا اپنے ہی خاندان کے کچھ بزرگ سماج کے ٹھیکیدار ٹھہرے تھے اور دل ہی دل میں ان پر غرّا کر ظالم سماج کے خلاف شاعری کیا کرتا تھا اور جب محلے کا بنیا کسی قرض خواہ سے اُلجھ پڑتا تو سرمایہ داری کی شامت آجاتی۔ایسی دل دہلا دینے والی نظم لکھتا کہ بعد میں اس بنیے پر رحم بھی آنے لگتا۔دوسری عالمگیر جنگ شباب پر تھی اور میں اس اُلجھن میں پڑا رہتا تھا کہ آخر عالمی امن کا داعی روس کیوں نازی جرمنی کا ساتھ دے رہا ہے۔پھر ایک دن ایسا ہوا کہ اچانک روس اور جرمنی بھی ایک دوسرے پر چڑھ دوڑے اور میرے کھدر پوش ساتھیوں نے ہٹلر کو گالیاں دینی شروع کر دیں۔

میں نے چپ چاپ اپنا کھدر کا سوٹ اتار کر ایک طرف رکھا'بال ترشوائے اور آدمی کی جون میں آ گیا۔'' (بقلم خود۔۱۹۷۲)

ابن صفی ۱۹۴۷ء میں یونیورسٹی پہنچے تو ڈاکٹر سید اعجاز حسین صاحب کی شاگردی کا

شرف حاصل ہوا۔ان کے لیکچرز نے ذہنی نشوونما کے نئے باب کھولے۔فکر ونظر کی تہذیب کرنے کا سلیقہ پیدا ہوا۔لیکن بدقسمتی سے یہ مدت بہت قلیل تھی۔۱۹۴۷ء کے فسادات شروع ہو چکے تھے۔یونیورسٹی میں بھی خنجر زنی کی ایک واردات ہوگئی اور بزرگوں نے ان کا یونیورسٹی جانا بند کرا دیا۔

دلچسپ بات یہ ہے کہ یہی ڈاکٹر اعجاز حسین آگے چل کر ابن صفی کے مداح بنے اور انہوں نے 'اردو میں جاسوسی ناول' کے باب میں بات کرتے ہوئے لکھا:

''ہنوز طلسم ہوشربا کے خیال سے دامن چھٹ نہیں سکا۔تہہ میں وہی روایتی تخیل اور کسی حد تک مافوق الفطرت باتوں کی جھلک نظر آتی ہے۔غور کرنے سے طلسم ہوشربا اور آج کے جاسوسی ناولوں میں ایک گونا مماثلت ملتی ہے جیسے اس میں خیر وشر کی لڑائی میں قلت کثرت پر فتح پائی جاتی ہے ویسا ہی آج جاسوسی ناولوں میں نیک و بد کی لڑائی نظر آئے گی۔جیسے اس زمانے میں امیر حمزہ کے ساتھ عمرو عیار جز لانیفک ہو گیا تھا ویسے ہی آج بھی خفیہ پولیس آفیسر کے ساتھ ایک ہمزاد نظر آتا ہے جیسے جاسوسی ناول میں فریدی کے ساتھ حمید سائے کی طرح ہر وقت کے ساتھ رہتا ہے''

۱۹۵۱ کے اواخر میں الہ آباد کی ایک نشست میں یہ بحث چھڑ گئی تھی کہ اردو میں صرف جنسی لٹریچر ہی کامیاب ہوسکتا ہے۔ابن صفی نے اس نظریے کی نفی میں کچھ کرنے کی ٹھانی اور انہی کے مشورے سے عباس حسینی نے ۱۹۴۸ میں ادارہ نکہت کی داغ بیل ڈالی۔ ابتدا میں ابن صفی مختلف قلمی ناموں سے طنزیہ مضامین لکھتے رہے اور بلاخر مارچ ۱۹۵۲ میں جاسوسی دنیا کا پہلا ناول دلیر مجرم لکھ کر انہوں نے اس سلسلے کی ابتدا کی جو آگے چل کر برصغیر پاک وہند کے اردو جاسوسی ادب کا سب سے مقبول سلسلہ قرار پایا۔

بین السطور مثالوں کو سامنے رکھتے ہوئے ہمارے سامنے ایک ایسے ابن صفی کا تصور ذہن میں آتا ہے جو اپنی تحریروں سے ان نظریات کا پرچار کرتا جن سے وہ اوائل عمری میں متاثر رہا تھا لیکن حقیقت اس کے برعکس ہے۔اٹھائیس برسوں میں لکھے گئے ۲۴۵ ناولوں میں ابن صفی کے جانب سے اپنے قاری کے لیے جو پیغام سب سے زیادہ طاقتور اور پر اثر نظر آتا ہے وہ ہے قانون کا احترام۔اس بات کو اپنے ایک ناول کے پیشرس میں کھلے الفاظ میں بیان بھی کر چکے ہیں۔اب آیئے اس بات کی جانب کہ ابن صفی کا نظریہ آخر تھا کیا؟اس سلسلے میں سب سے اہم بات فرزند ابن صفی جناب احمد صفی نے راقم سے ایک حالیہ گفتگو کے

دوران کہی۔ان کے مطابق ''ابو نے اپنے نظریات کو کبھی اپنے قاری پر تھوپنے کی کوشش نہیں کی۔ وہ حالات وواقعات کا اپنے انداز میں تجزیہ کرنے کے بعد اسے اپنے قاری کے سامنے رکھ دیتے تھے اور فیصلے کا اختیار اسے سونپ دیا کرتے تھے۔ان کا یہی انداز فکر اور طریقہ کار گھر میں اپنے بچوں کے ساتھ بھی تھا۔ وہ ہمیں کسی بھی بات سے روکتے نہیں تھے بلکہ اس کے دونوں پہلو سامنے رکھ دیتے تھے اور ان کا انداز ایسا دلنشیں ہوتا تھا کہ ہم خود بخود درست سمت میں سوچنے اور فیصلہ کرنے پر مجبور ہو جایا کرتے تھے۔''

ناول کے اہم اجزائے ترکیبی میں مکالمہ نگاری کا ایک اہم مقام ہے۔اچھے مکالمے کی خوبی یہ ہے کہ اس سے کردار کی شخصیت کا صحیح پرتو ابھر کر سامنے آئے۔ابن صفی کے ناولوں میں مکالمہ اپنی پوری قوت سے ابھر کر سامنے آتا ہے اور ان کا قاری نام جانے بغیر یہ سمجھ جاتا ہے کہ ان کے کس کردار کا مکالمہ ہے۔یہ وصف چوٹی کے لکھنے والوں کے حصے میں بھی شاذ و نادر ہی دیکھنے میں آتا ہے۔آیئے چند دیگر مثالوں کی مدد سے نظر یہ ابن صفی کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔اس سلسلے میں یکم فروری ۱۹۷۵ کو لکھے گئے جاسوسی دنیا کے ناول زہریلا سیارہ میں کرنل فریدی اور کیپٹن حمید کے مابین ہوئی گفتگو ملاحظہ ہو۔

''آخر یہ جرائم کیوں اتنے بڑھ گئے ہیں؟''

''جھلاّ ہٹ کی بنا پر۔'' فریدی بولا۔

''میں نہیں سمجھا جناب''

''آبادی بڑھ گئی ہے۔وسائل بھی محدود ہیں اور چند ہاتھوں پر ان کا قبضہ ہے۔''

''جھلاّ ہٹ والی بات تو رہ ہی گئی۔''

''اسی طرف آ رہا ہوں.... دولتمندوں کو مزید دولتمند بننے کی آزادی ہے اور عوام کو قناعت پسندی کا سبق پڑھایا جا رہا ہے۔''

''ایسی صورت میں اس کے علاوہ اور چارہ بھی کیا ہے۔''

''چارہ ہی چارہ ہے۔اگر خود غرضی اور جاہ پسندی سے منہ موڑ لیا جائے۔ایک نئے انداز کی سرمایہ داری کی بنیاد ڈالنے کے بجائے خلوصِ نیت سے وہی کیا جائے جو کہا جاتا رہا ہے تو عوام کی جھلاّ ہٹ رفع ہو جائے گی۔ضرورت ہے کہ انھیں قناعت کا سبق پڑھانے کی بجائے ان کی 'خودی' کو ابھارا جائے جیسے بعض دوسرے ملکوں میں ہوا ہے۔''

''آپ تو انقلابی معلوم ہوتے ہیں۔''

''حدود اللہ میں رہ کر یقیناً انقلابی ہوں۔اللہ کبھی اس پر برہم نہیں ہو سکتا کہ کوئی قوم اپنے حالات کو مدّ نظر رکھ کر اپنے وسائل کی تقسیم کا مناسب انتظام کر لے۔''

☆

مندرجہ ذیل مکالمے کو دیکھیے تو یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ ابن صفی سری ادب کی افادیت کی حمایت میں اپنا موقف پیش کرنے کے ساتھ ساتھ معاشرے کے زوال کی توجیہہ کس عمدگی سے پیش کرتے ہیں:

''مجھے جاسوسی کہانیاں بہت پسند ہیں''

''تمہاری لائن کی چیز ہے! میرا خیال ہے کہ جاسوسی کہانیاں تباہ کُن ہوتی ہیں!''

''کیوں؟''

''ان سے جرائم پھیلتے ہیں!''

''میں اسے تسلیم نہیں کر سکتا''، راجن نے سر ہلا کر کہا۔''ہمارے یہاں کے زیادہ تر جرائم پیشہ لکھ پڑھ نہیں سکتے! پچانوے فیصد جاہل ہوتے ہیں! جرائم کی جڑیں دراصل مایوسی میں ملتی ہیں!''

''میں نہیں سمجھی''

''جس معاشرے کے لوگ مستقبل کی طرف سے مایوس ہو جاتے ہیں وہیں جرائم کی گرم بازاری بھی ہو جاتی ہے!''

''تو کیا ہمارے یہاں کے لوگ مستقبل سے مایوس ہیں؟''

''یقیناً ہیں اور یہ چیز ان کے ذہنوں میں جڑیں پکڑ چکی ہے کہ ان کے ساتھ انصاف نہیں ہو سکے گا۔'' (گارڈ کا اغوا۔جاسوسی دنیا۔۱۵ فروری ۱۹۵۸)

☆

ابن صفی کی تحریروں کا ایک کمال یہ ہے کہ باتوں باتوں میں حالات حاضرہ پر اس انداز میں روشنی ڈالتے ہیں کہ کہی ہوئی بات فوری طور پر پڑھنے والے کے ذہن میں اتر جاتی ہے تیسری دنیا کے ملکوں میں نام نہاد جمہوریت پر اس سے گہرا طنز بھلا اور کس انداز میں کیا جا سکتا ہے:

''ان کا طرزِ حکومت جمہوری کہلاتا ہے۔جس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ مغز چند آدمیوں کے حصّے میں آئے اور ہڈّیاں عوام کے سامنے ڈال دی جائیں۔یہ اپنے مسائل

طاقت سے ہی حل کرتے ہیں مگر اسے اشتراکِ باہمی کا نام دیتے ہیں۔اس کے حاکم خود کو عوام کا نمائندہ کہتے ہیں۔عوام ہی انھیں حکومت کے لئے منتخب کرتے ہیں لیکن یہ ان کی مالی قوت ہی ہوتی ہے جو انھیں اقتدار کی کرسی پر پہنچاتی ہے لیکن وہ اسے عوام کی قوت اور رائے عامّہ کہتے ہیں۔حالانکہ رائے عامّہ مالی قوت ہی سے خریدی جاتی ہے۔انھیں منتخب ہونے کے لئے اپنے مخالفوں کے خلاف بڑے بڑے محاذ قائم کرنے پڑتے ہیں۔ایک خطرناک جنگ شروع ہوتی ہے اور اس جنگ کو 'رائے عامّہ ہموار کرنا' کہا جاتا ہے۔اس میں بھی طاقت ہی کی کارفرمائی ہوتی ہے۔آخر ایک آدمی مخالفوں کو کچلتا ہوا آگے بڑھ جاتا ہے۔''

(تیسرا شعلہ۔جاسوسی دنیا۔۱۵نومبر ۱۹۵۶)

☆

ایک اور جگہ لکھتے ہیں:

''بیسویں صدی کے نصف کے بعد کا ذہن جھنجھلاہٹ کا شکار ہے۔تم جانتی ہو کہ تخریب پسندی کی بنیاد جھنجھلاہٹ ہی پر ہوتی ہے اور یہ جھنجھلاہٹ تخریب کاری کے لئے بہانے تلاش کرتی رہتی ہے۔اور تم یہ بھی جانتی ہو کہ غیر یقینی حالات نے آدمی کو مستقبل سے مایوس کر دیا ہے،لہٰذا وہ ہر چمکدار چیز کے پیچھے دوڑنے لگتا ہے خواہ وہ آگ ہی کیوں نہ ہو!''۔ (رائی کا پربت۔عمران سیریز۔۱۸ستمبر ۱۹۵۷)

☆

فکری اعتبار سے ابن صفی کے ناولوں نے اپنے قاری کو معاشرتی برائیوں کے خلاف صف آراء ہونے کا سلیقہ سکھایا۔وہ بنیادی طور پر ایک شفاف ذہن کے مالک تھے۔ان کے قاری ان سے ہر قسم کے موضوعات پر کھل کر بات کرتے تھے اور وہ اپنے مخصوص انداز میں ان کو باقاعدگی سے جواب دیا کرتے تھے۔ان کے لکھے تمام ناولوں کے پیشرس بھی اپنی جگہ ادبی چاشنی لیے ہوئے ہیں،ساتھ ہی ساتھ ان کی مدد سے وہ اپنے قاری کو ہر مرتبہ کچھ نہ کچھ سکھایا کرتے تھے۔عمران سیریز کے ناول پاگلوں کی انجمن (یکم جون ۱۹۷۰) کے پیشرس میں لکھتے ہیں:

''بیشمار خطوط میں مجھ سے مطالبہ کیا گیا ہے کہ میں جو کچھ بھی لکھوں،کھل کر لکھوں،بات مختلف قسم کے ازموں سے متعلق تھی۔ببانگ دہل کہہ چکا ہوں کہ معاشرے میں اللہ کی ڈکٹیٹرشپ چاہتا ہوں۔تمہارا ظاہر کچھ بھی ہو لیکن دل مسلمان ہونا چاہیے،کچھ

نیکیاں سچے دل سے اپنا کر دیکھو،آہستہ آہستہ تم خود ہی کسی جبر و کراہ کے بغیر اپنا ظاہر بھی اللہ کے احکامات کے مطابق بنالو گے۔''

مندجہ بالا سطور اس وقت لکھی گئیں جب وطن عزیز میں سیاسی حالات دگرگوں تھے اور ایک ایسی فضا بن رہی تھی جس کا اختتام ملک کی تقسیم پر منتج ہوا تھا۔اس سانحے کے بعد قوم مجموعی طور پر مایوسی کا شکار تھی،ایسے حالات میں ادیب بھی اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے تھے۔ابن انشاء ان دنوں اپنے کالمز کے ذریعے قوم کی شگفتگی بحال کرنے کی کوششوں میں مصروف تھے اور آگے چل کر مختلف مشاہیر ادب نے برملا کیا۔ایسے میں ابن صفی کیوں پیچھے رہتے۔ان کو پڑھنے والوں کی تعداد تو لاکھوں میں تھی،لوگ ان کی لکھی ہوئی باتوں کا بے انتہا اثر لیتے تھے۔سقوط مشرقی پاکستان سے قبل ۱۷ اکتوبر ۱۹۷۰ کو اپنے ناول ہلاکو اینڈ کو کے پیشرس میں لکھتے ہیں:''کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ دشمن کے ایجنٹ ہماری آنکھوں میں دھول جھونک جاتے ہیں اور ہمیں احساس تک نہیں ہوتا۔وہ ہمیں کمزور کرنے کے لیے ہماری قومی یک جہتی پر ضرب لگاتے ہیں اور ہمیں پتا نہیں چلتا۔مثال کے طور پر وہ افواہوں کے ذریعہ ایسی من گھڑت کہانیوں کو شہرت دینے کی کوشش کرتے ہیں جن سے صوبائی تعصب یا فرقہ واریت کا زہر پھیل سکے۔ہم اس کا پتہ تو نہیں لگا سکتے کہ کون سی افواہ کہاں سے پھیلی ہے لیکن اس پر ضرور قادر ہیں کہ اس افواہ کو دوسرے کانوں تک نہ پہنچنے دیں۔''

ابن صفی سقوط مشرقی پاکستان کے بعد کی افراتفری اور مایوس ذہنوں کو پیغام دیتے ہوئے اپنے ناول 'پھر وہی آواز' کے پیشرس میں اپنے قارئین سے یوں مخاطب ہیں:''جب ذہنی انتشار کا یہ عالم ہو تو کوئی بھی ہماری عقلوں کا شکار کر سکتا ہے۔ہم دشمن کے ایجنٹوں کو بھی اپنا ہمدرد سمجھ بیٹھتے ہیں۔دشمن کے ایجنٹ ہماری اسی ذہنیت سے تو فائدہ اٹھاتے ہیں کہ ہمیں اپنے بھائی پر اعتبار نہیں رہا۔یہی بے اعتنائی دشمن کے ایجنٹ کا آلہ کار بنتی ہے۔''

۱۲ اکتوبر ۱۹۷۱ کو لکھے عمران سیریز کے ناول بزدل سورما کے پیشرس میں وہ اہل وطن کو یہ پیغام دیتے ہیں:''آپ اچھے ہوں یا برے،جس گھر میں آپ بیٹھے ہیں،اس کے در و دیوار کی حفاظت آپ پر واجب و لازم ہے۔جس طرح بھی ممکن ہو اس کی حفاظت کیجیے۔آنکھیں کھلی رکھیے کہ کہیں آپ نادانستگی ہی میں تو اس گھر کی تباہی کا باعث نہیں بن رہے۔وطن عزیز کے مشرقی حصے میں ابھی جو کچھ ہو چکا ہے،اس کا اعادہ اور کہیں نہ ہونے پائے۔یقین کیجیے اگر ہم چوکس رہیں تو بیرونی دشمنوں کے سارے حربے کند ہو کر رہ جائیں گے۔''

۱۹۵۲ سے ۱۹۸۰ تک کے درمیانی وقفے میں ابن صفی کے پاس ان کے ناولوں کے علاوہ اپنے قاری سے مکالمے کا جو بہترین ذریعہ تھا وہ تھے ان کے ناولوں کے پیشرس جن میں وہ اپنے خیالات ونظریات کا اظہار اس دلنشیں انداز میں کرتے تھے کہ رفتہ رفتہ ایک عالم ان پیشرسوں کا دلدادہ ہوتا چلا گیا، قارئین کو نئے ناول کے ساتھ ساتھ پیشرس کا بھی بے چینی سے انتظار رہنے لگا۔ حالات حاضرہ پر گہری نظر رکھنے والے ابن صفی وطن عزیز کے سیاسی حالات پر بھی اپنی رائے دینے میں پیش پیش تھے۔

بے شک جمہوریت ایک قابل قبول طرز حکومت کا نام ہے لیکن ہمارے ایسے ملکوں میں بہترین نظام حکومت بھی ناعاقبت اندیشوں کے ہاتھوں میں پڑ کر کس طرح پامال ہو جاتا ہے، اس کا عملی نمونہ تو ہم بحیثیت قوم آزادی کے بعد سے دیکھ ہی رہے ہیں۔ ذرا دیکھیے تو، ابن صفی جمہوریت اور ڈکٹیٹر شپ میں فرق کو واضح کرتے ہوئے عمران سیریز کے ناول دوسرا پتھر (سن اشاعت: ۳ نومبر ۱۹۷۹) میں ایک قاری کے خط کے جواب میں کیا لکھتے ہیں:

'' ایک بھائی نے پوچھا ہے کہ جمہوریت اچھی ہے یا ڈکٹیٹر شپ؟ اور اسلامی مزاج ان دونوں میں سے کسے سہار سکتا ہے؟۔۔۔ بھائی! اگر آپ اسلامی نکتہ نظر سے پوچھتے ہیں تو پہلے بھی کبھی عرض کر چکا ہوں کہ اسلام میں جمہوریت جیسی کسی شے کی گنجائش نہیں۔ اسلام تو اللہ کی ڈکٹیٹر شپ کا نام ہے۔ جمہوریت میں دھارے کے ساتھ بہنا پڑتا ہے جبکہ اسلام میں دھارے پر چڑھنے کو کہتے ہیں۔ اسلامی مملکت کے لیے صرف ایک ایماندار فرد کی حکومت کافی ہے کہ وہ ایماندار فرد اپنے احکامات نہیں بلکہ قرآنی احکامات ہم سے منواتا ہے۔ لہذا میرے بھائی! اسلام اور جمہوریت کو اجتماع ضدین سمجھیے۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے یہاں جمہوری نظام پنپ نہیں سکا۔ وجہ صاف ظاہر ہے کہ مسلمانوں کے مزاج سے مطابقت نہیں رکھتا۔ یہاں جمہوریت کے علمبرداروں کو بھی ڈکٹیٹر بننا پڑا ہے اور بلاخر یہی چیز ان کے زوال کا باعث بنی کہ زبان پر تو جمہوریت کا نعرہ ہوتا تھا لیکن کرتوت ڈکٹیٹروں سے بھی بدتر۔ پھر جمہوریت کی سب سے بڑی خامی یہ ہے کہ اس میں صرف ووٹ گنے جاتے ہیں، بقول اقبال 'بندوں کو پرکھا نہیں جاتا'۔۔ جو چاہے دولت کے بل بوتے پر بحیثیت امیدوار کھڑا ہو کر منتخب ہو جائے۔ غور کرنے کی بات ہے کہ دفتر کی کلرکی کے لیے تو آپ کو فرسٹ کلاس گریجویٹ چاہیے لیکن قوم کی باگ ڈور لٹھ قسم کے افراد کے ہاتھ میں دے دی جاتی ہے۔ شیخ، مرغی سپلائر، انگوٹھا چھاپ تو اسمبلی میں پہنچ کر قانون سازی فرمائیں اور سکنڈ کلاس گریجویٹ کو چپراسی بنانے کے لائق بھی نہ سمجھا جائے۔''

ابن صفی کے لکھے تمام ناولوں کا بغور جائزہ لینے کے بعد ان کے نظریات کی بات کی جائے گی تو ایک ملا جلا رجحان سامنے آتا ہے، وہ بیک وقت ایک اصلاح پسند، ترقی پسند، اسلام کے بنیادی اصولوں کی پاسداری کرنے والے، اور ایک محبِّ وطن مصنف کی حیثیت سے اپنے قاری کے سامنے آتے ہیں۔ ابن صفی کی طبیعت پر مذہب کی اور اسلام کی عظیم اعلیٰ اخلاقی تعلیم کی ایک واضح چھاپ تھی۔ انھوں نے اپنی تحریروں کی مدد سے سماجی، اخلاقی اور معاشرتی برائیوں کے خلاف ساری عمر جہاد کیا۔ یہاں ان کے ایک ناول کے کردار 'نادر' کا خصوصی ذکر کرنا چاہوں گا۔ یہ جاسوسی دنیا کا ناول دشمنوں کا شہر ہے۔ ابن صفی کے دیرینہ دوست جناب شاہد منصور کے مطابق ''مذکورہ ناول کی ابتدا انھوں نے حضور پاک ﷺ کی مکی زندگی کے واقعات سے کیا اور میں بری طرح چونک گیا گویا ابن صفی جاسوسی ناول لکھ رہے ہیں یا سیرت النبی ﷺ لیکن جب انھی واقعات کی اثر پذیری سے میں نے نادر جیسے ننگ انسانیت کو سنبھلتے دیکھا تو ابن صفی کی عظمت قلم پر ایمان مستحکم ہو گیا۔''

مذکورہ ناول کے اختتام پر یہ دیکھایا گیا ہے کہ 'نادر' جیسا جرائم پیشہ انسان ہر طرح کی آزمائشوں سے ثابت قدمی کے ساتھ سرخرو ہوا۔

اسی طرح نظریہ ابن صفی کی مزید وضاحت کرتے ہوئے شاہد منصور لکھتے ہیں: '' ہمارے ملک پر بھی ایک ایسا وقت آن پڑا تھا کہ یار لوگوں نے سبز پاکستان کو سرخ کرنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی تھی۔ اس گھمبیر وقت کا سامنا کرنے میں بھی ابن صفی صف اول میں سینہ سپر تھے۔ انہوں نے پے در پے اپنے کئی ناولوں میں نہ صرف اس مسئلے کو اٹھایا بلکہ ان ریشہ دوانیوں کا بھی بڑی چابکدستی سے پردہ فاش کیا جو سفارتی ہتھکنڈوں سے ثقافتی سرگرمیوں کے پردے میں کی جا رہی تھیں۔ یہاں میں آپ کی خدمت میں ابن صفی کی ایک دھماکہ خیز غزل پیش کر رہا ہوں جو ان کی کتاب 'پاگلوں کی انجمن' (عمران سیریز۔ سن اشاعت: یکم اگست ۱۹۷۰) میں استاد محبوب نرالے عالم کی زبانی پیش کی گئی تھی۔ ذرا اس کے پر معنی طنز اور اس کی تشبیہوں اور استعاروں پر غور کیجئے اور دیکھیے کہ ابن صفی کا سینہ کیسے دینی جوش سے پر تھا اور اپنے قلم کو ہتھیار بنا کر کس طرح انہوں نے اپنے عہد کی خوفناک زہر ناکی کا مقابلہ کیا:

اک دن جلال جبہ و دستار دیکھنا
ارباب مکر و فن کو سرِ دار دیکھنا
سنتے رہیں کسی بھی دریدہ دہن کی بات
ہم بھی کھلے تو جوششِ گفتار دیکھنا

قرآں میں ڈھونڈتے ہیں مساوات احمریں
یارو! نیا یہ فتنۂ اغیار دیکھنا
وردِ زباں ہیں خیر سے آیات پاک بھی
ہے اہرمن بہ خرقہ و پندار دیکھنا
کل تک جو بت کدے کی اڑاتا تھا دھجیاں
اس کے گلے میں حلقۂ زنار دیکھنا
لائی گئی ہے لال پری سبزہ زار میں
ہوتے ہیں کتنے لوگ گناہ گار دیکھنا
فرصت ملے جو لال حویلی کے درس سے
اک بور یہ نشیں کے بھی افکار دیکھنا

گزشتہ چند برسوں میں ابن صفی کی تحریروں کا احیاء دیکھنے میں آرہا ہے، سری ادب اور ابن صفی، دونوں سے تعلق خاص رکھنے والا ہر شخص اس میں بقدر ظرف اپنا حصہ ڈال رہا ہے۔ ابن صفی کے فن وفکر کو ایک نئے سرے سے دریافت کرنے کا عمل شروع ہو چکا ہے۔ یہاں راقم کو وہ چینی کہاوت یاد آرہی ہے جس کے مطابق چار نابینا لوگوں کو ایک ہاتھی کے خدخال اور ہئیت کے بارے میں جاننے کا کہا گیا اور ان میں سے ہر کوئی ہاتھی کے جسم کے مختلف حصوں کو ٹٹول کر حتمی نتیجے پر پہنچ گیا، کسی کو وہ بمثل ایک ٹھوس دیوار لگا تو کسی نے اس کی سونڈ کو تھامنے کے بعد اسے سانپ جیسا ٹھہرایا۔ فرق یہ ہے کہ یہاں ابن صفی کو دریافت کرنے والے اہل نظر ہیں، ادب پر گہری نظر رکھتے ہیں، اپنے اپنے تجربے کی بنیاد پر اپنے پسندیدہ مصنف کے فنی محاسنوں کو دریافت کرتے چلے جارہے ہیں۔

آخر میں، میں شبنم رومانی کا ابن صفی سے متعلق کہا گیا ایک فقرہ لکھ کر بات کو ختم کرتا ہوں:

''وہ بلا کا ذہین تھا۔ شدت ذہانت کبھی کبھی پاگل پن سے بھی تعبیر کی جاتی ہے۔ افسوس کہ اس کے ہاں امکانات کا جو ایک جہان دیگر تھا، اس کو پوری طرح فتح کئے بغیر وہ اس دنیا سے رخصت ہو گیا۔''

(())(())(())(())(())

ابن صفی اور ان کی عظمت کے نشان

عثمانہ اختر جمال (امریکہ)

ادب کے فلک پر اتنے آفتاب اور مہتاب چمکے کہ ان کے نور کی جگمگاہٹ سے دل و دماغ منور ہو گیا۔ پھر اس ادب کے کائنات میں ایک نئی کہکشاں اتر پڑی اپنا الگ حسن اور دلفریبی لے کر۔ اور اس ادبی کہکشاں کا سارا حسن، ساری تابانی وہ جاسوسی ادب تھا جو ابن صفی لے کر نمودار ہوئے۔ جس کی بدولت جاسوسی ادب کو ایک نیا وقار ،ایک منفرد شان، ایک الگ جگہ ملی۔ جب سے میں نے ہوش سمبھالا اپنے گھر میں ابن صفی کے بارے میں اتنا سنا کہ وہ اپنی زندگی سے بہت قریب نظر آنے لگے۔ ہمارے گھر کا ہر فرد، ہمارے ماموں ممانی، چچا چچی، خالو خالائیں، کزنس وغیرہ۔ سب کا محبوب ٹاپک ابن صفی اور ان کے بنائے ہوئے لازوال کردار تھے۔ بہت دن تک میں یہی سمجھتی رہی کہ ابن صفی میرے بہت قریبی عزیز ہیں۔ ان کے کردار حقیقی ہیں اور وہ سب بھی میرے رشتہ دار ہیں۔ میرے گھر کے سب لوگ ان کی جدائی محسوس کرتے ہیں۔ ہر وقت ان کی باتیں کرتے رہتے ہیں۔ ان کے چٹکلے اور مزاقیہ جملے ایسے دھراتے تھے کہ جیسے کسی اپنے کی باتیں ہوں۔ بہت دن تک مجھے پتہ ہی نہیں چلا کہ فریدی، حمید، قاسم، عمران، غزالہ، سلیمان، سر سلطان، رحمان صاحب، سنگ ہی، اور تھریسیا بمبل بی وغیرہ جاسوسی دنیا کے کردار ہیں۔ میں ان کو اصلی دنیا کے باشندے سمجھتی تھی۔ میں یہی سوچتی رہتی تھی کہ ابن صفی میرے قریبی عزیز ہیں اور میرے گھر والے ان کو اتنا چاہتے ہیں تو وہ میرے گھر کیوں نہیں آتے ہیں؟ میرے گھر کے لوگ ان کے گھر کیوں نہیں جاتے ہیں؟ کاش وہ کبھی میرے گھر آجائیں تا کہ میں ان کو بتا سکوں۔ "میرے گھر میں آپ لوگوں کا بہت ذکر ہوتا ہے۔ اسی لیے مجھے آپ لوگوں سے ملنے اور دیکھنے کی بہت خواہش تھی۔" ایک دن میری ایک دوست نے ہندی میں جاسوسی دنیا کی کچھ کتابیں لا کر دیں اور کہا۔ "یہ کتابیں بہت مزیدار ہیں۔ مجھے اپنے پاپا کی لائبریری سے ملی ہیں۔ انہوں نے بہت احتیاط سے رکھی تھیں۔ میں نے ان سے چھپا کر پڑھا تو مجھے بہت پسند آئیں۔ میں تمھارے لیے لے کر آئی ہوں۔ پڑھ کر واپس کر دینا۔" میں ان کتابوں کو پا کر بہت خوش ہوئی۔ ابھی ان کو پڑھنا شروع ہی کیا تھا کہ نانی نے دیکھ لیا۔ ہم ڈر

گئے کہ کہ ناول پڑھنے پر اب خوب ڈانٹ پڑے گی۔اس وقت میری سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ بڑے تو مزے سے ناولیں پڑھتے ہیں بچوں کو پڑھتے دیکھتے ہیں تو کیوں ڈانٹتے ہیں؟ یا پڑھنے سے کیوں منع کرتے ہیں؟انہوں نے مجھے ڈانٹا نہیں بلکہ کہا۔"جاسوسی دنیا ہندی میں کیوں پڑھ رہی ہو؟ آو میرے ساتھ۔" وہ ماموں کے کمرے میں لے گئیں۔ جہاں دلیر مجرم سے لے کر جاسوسی دنیا کی آخری کتاب تک پورا سیٹ موجود تھا۔ اور بہت خوبصورت جلدوں میں بندھا ترتیب کے ساتھ رکھا ہوا تھا۔میری خوشی کی انتہا نہیں تھی۔ مجھے پڑھنے کا بہت شوق تھا اور مجھے کتابوں کا اتنا بڑا ذخیرہ مل گیا تھا۔ میں دنیا کو بھول گئی اور دن رات جاسوسی دنیا پڑھنے میں مشغول ہوگئی۔ وہ اسکول میں گرمی کی چھٹیوں کا زمانہ تھا۔ان کتابو ں کو پڑھ کر مجھے معلوم ہوا کہ ہمارے گھر میں ابن صفی اور ان کے کرداروں کا اتنا چرچا کیوں تھا؟ وہ کتابیں واقعی میں بہت عظیم تھیں ان کے کردار دنیا کے سارے عجوبوں سے الگ اور شاندار تھے۔ جو زندہ جاوید تھے اور ہر زندہ انسان کو اپنی خوبیوں سے مات دے رہے تھے، یقین نہیں آرہا تھا خیالی تخلیق بھی اتنی بلند اتنی عظیم ہوسکتی ہے۔کوئی ادیب اتنی بلندی پر جاسکتا ہے جہاں تک پہونچنے کے لیے دوسروں کے قد چھوٹے پڑ جائیں۔

ایک بار میری امی نے بتایا کہ ابن صفی بہت بیمار ہوگئے تھیاور جاسوسی دنیا نکلنا بند ہوگئی۔ میرے ایک ماموں جو ابن صفی اور جاسوسی دنیا کے بہت بڑے مداح تھے۔ اس وقت جاسوسی دنیا کی کوئی خاص کتاب یا خاص نمبر نکلنے والا تھا جو ابن صفی کی بیماری کی وجہ سے شائع نہیں ہوسکا تھا۔جس کا ماموں کو بہت انتظار تھا۔وہ روز جاسوسی دنیا والوں کو ایک خط لکھتے تھے۔اچانک جوانی میں ان کا انتقال ہوگیا وہ اس کتاب کو نہیں پڑھ سکے۔جس کا افسوس میرے گھر والوں کو ہمیشہ رہا۔ابن صفی کی صحت کی سب ہی لوگ دعائیں مانگا کرتے تھے۔اور سب کو یہ بھی فکر رہتی تھی کہ اگر ابن صفی کو کچھ ہوگیا تو ان کے کردار بھی ختم ہوجائیں گے جن کی تخلیق میں انہوں نے اپنی پوری زندگی لگا دی تھی۔اپنے قارئین اور مداحوں کی دعاوں سے ابن صفی صحتیاب ہوگئے اور کتابیں پھر سے شائع ہونے لگیں۔اس کے بعد سے لوگ ہمیشہ یہی کہتے کہ ابن صفی کو چاہیے کہ وہ ایک آخری کتاب ابھی سے لکھ کر رکھ دیں۔کسی کو دکھائیں نہیں اور نہ کسی کو بتائیں۔وہ ان کی ایک یادگار کتاب ہوگی اور پڑھنے والوں کی خواہشیں پوری کرتی ہوئی دکھائی دے گی۔جس میں سنگ ہی کو مار دیا جائے،حمید کی شادی کروادی جائے،قاسم اور اس کی بیوی کی دوستی ہوجائے،فریدی اور غزالہ کی شادی کروادیں۔عمران کا ایکس ٹو کا راز سب پر ظاہر ہوجائے اور اس کی شادی تھریسیا سے

ہوجائے کیوں کہ عمران کے لیے اس کے جیسی صرف تھریسیا ہی تھی۔ سارے کرداروں کی سب کو اتنی فکر تھی کہ جیسے وہ اصلی ہوں۔تب ہی شائد میں ان کو اصلی کردار سمجھتی تھی۔اس معاملے میں ہم بچوں کی رائے بھی مانگی گئی،سب نے کہا۔" جاسوسی دنیا بند نہ ہو،ہم کو تو ان کرداروں کی بہادری پر کتابیں پڑھنا ہیں۔کیا ایسا نہیں ہوسکتا ہے۔ان کے بیٹے یہ کتابیں لکھیں۔جیسے باپ کے بعد اس کا بیٹا بادشاہ بن جاتا ہے، بزنس مین کا بیٹا بزنس مین بن جاتا ہے،ڈاکٹر کا بیٹا ڈاکٹر بنتا ہے،وکیل کا بیٹا وکیل بنتا ہے۔کیوں نہ وہ اپنی قابلیت اپنے بیٹوں کو دے کر جائیں ان کے بیٹے جاسوسی دنیا اور عمران سیریز جاری رکھیں ان کرداروں کو زندہ رکھیں۔"میں نے اپنے چاروں طرف یہی دیکھا تھا کہ جو باپ ہوتے تھے زیادہ تر وہی بیٹا بنتا تھا۔سب میری بات پر خوب ہنسے تھے اور سمجھایا تھا۔" قابلیت بھی کہیں ٹرانسفر ہوتی ہے۔بیٹا بھی اگر ادیب بنتا ہے تو اس کی قابلیت الگ ہوتی ہے۔ابن صفی کا انداز دوسرا ہے، ان کے کرداروں کی عظمت ان کے ساتھ ہے کوئی دوسرا وہ خوبی نہیں لاسکتا ہے۔کتنے لوگوں نے ان کی نقل کرنے کی کوشش کی۔ان کے کردار ہی نہیں ان کا نام تک چرایا۔مگر فائدہ کیا ہوا۔کوئی بھی ان کے مقام، ان کے درجہ تک نہیں پہونچ سکا۔سب کی کتابیں فضول کتابیں ہی رہیں۔حالانکہ انہوں نیکردار وہی رکھے مگر ایک بھی ابن صفی کے کرداروں کے جیسا مرتبہ نہیں پاسکا،نہ ان کا جیسا عروج پاسکا۔وہ لوگ ابن صفی کی زبان وانداز کہاں سے لاتے جو ان کی جیسی شہرت اور مقبولیت پاتے۔ ہاں یہ ہوسکتا ہے کہ ابن صفی کی اپنی کتابیں ہی بار بار شائع ہوتی رہیں تو آنے والی نسلیں ویسے ہی پڑھیں گی جیسے ہم لوگوں نے پڑھا۔اس سے زبان، ادیب اور کردار زندہ رہیں گے۔"

یہ بات واقعی میں ٹھیک تھی۔میں نے خود ان کتابوں کو اس وقت پڑھنا شروع کیا تھا جب جاسوسی دنیا اور عمران سیریز شائع ہونا بند ہوگئے تھے۔میں بھی ابن صفی اور ان کے کرداروں سے اتنی ہی متاثر تھی جتنے وہ لوگ تھے جو شروع سے ان کو پڑھ رہے تھے اور ہر مہینے بیچینی سے ان کے شائع ہونے کا انتظار کرتے تھے۔لائبریری اور دوکانوں کے چکر لگاتے تھے۔یہ شائد اپنے وقت کی پہلی کتاب تھی جس کو گھر کا ہر فرد الگ الگ خریدتا تھا اور جلد بندھوا کر اپنے کلکشن میں رکھتا تھا۔ابن صفی کا ذکر فخر سے کیا جاتا تھا۔گھر کے لوگ ان کو اپنے گھر اور فیملی کے بہت قریب پاتے تھے۔بچے ان کو قریبی عزیز سمجھتے تھے۔کسی ادیب کو یہ شہرت، یہ چاہت نہیں ملی۔سب کے پسندیدہ تو بہت سے ادیب اور شاعر ہوتے ہیں مگر ابن صفی کے چاہنے والوں کی چاہت تو سب سے منفرد تھی۔ان کے لیے ان کے پڑھنے والوں کا پیار سب سے الگ تھا۔ابن صفی جنہوں نے جاسوسی ادب کی ایک پہچان بنائی۔ جاسوسی

ادب کوادب سے روشناس کرایا۔اتنے پاکیزہ ناول لکھے کہ گھر کے بچے بھی بڑوں کے ساتھ پڑھ سکتے تھے۔محاورے اورزبان پڑھنے والے اتنا دہراتے تھے کہ بچے وہ زبان سیکھ جاتے تھے۔جاسوسی دنیا کے کتنے چٹکلے زبان زدخاص وعام تھے۔خاص کر ہمارے گھر میں۔لکھنو کی عورتیں محاوروں میں بہت زیادہ بات کرتی تھیں ہم بچے بھی وہی محاروے سیکھ جاتے تھے۔ہمارے چھوٹے ماموں کے سامنے اگر کوئی محاورہ بولتا تو وہ فوراً کہتے۔"میں محاوروں سے ڈرنے والانہیں ہوں مجھے بھی محاورے آتے ہیں جان نہ پہچان بڑی خالہ سلام وغیرہ وغیرہ۔"میں نے ان کا انداز سمجھ کر یہ جملہ اپنے کسی افسانے میں بھی ڈال دیا۔ابن صفی کی زبان بہت خوبصورت اور شگفتہ ہے۔ان کی زبان کی سلاست، روزمرہ کی بول چال ،محاوروں کا برمحل استعمال اورموزوں الفاظ کا استعمال وغیرہ ان کی تحریر کوحسن و رعنائی سے بھر دیتے ہیں۔ان کے طنز ومزاح کا بھی کوئی جواب نہیں۔ان کے کرداروں میں کرنل فریدی اتنی مضبوط شخصیت اور کردار کے مالک اور ہرفن مولا ہیں کہ حقیقت کی دنیا میں ان کا ثانی نہیں مل سکتا۔ وہ سب ہی کا آئیڈیل کردار ہے۔نوجوان طبقہ سمجھتا تھا کہ وہ کردار خود ابن صفی کا کردار ہے۔مجھے عمران بہت پسند تھا کئی شخصیتیں اپنے اندر چھپایا ہوا۔کرنل فریدی کے ٹکر کا ہوتے ہوئے بھی احمق تھا، یہی احمق پن اس کی ہردل عزیزی کی وجہ بن گیا۔جواما ں بی کے ہاتھوں سے سر جھکا کر جوتیوں کی مار کھاتا ہے،سلیمان کے ہاتھ کی بنی ہوئی مونگ کی دال سے چڑتا ہے، جو چھپا ہوا کردار ایکس ٹو ہے، اسی نوکری میں ہوتے ہوئے اس کے والد صاحب بھی اس کی اس پوسٹ کونہیں جانتے۔غزالہ کی ایک الگ شخصیت، قاسم کی ایک الگ شان۔کرائم رپورٹرانور اور شیدہ کی نوک جھونک، انور اور کیپٹن حمید کی جھڑپیں، فریدی انور کی قابلیت سے متاثر، حمید ہنسنے ہنسانے والا کردار جاسوسی دنیا کی جان، قاسم، اس کی چوہیا اور بغراخاں ہنسی کا ایک فوارہ لاتے تھے۔بغراخاں پر مجھے ایک واقعہ یاد آ گیا۔میرے ماموں اوران کے دوستوں نے کلاس کے کسی لڑکے کا نام بغراخاں رکھا تھا۔ایک دن اتفاق سے وہ میرے گھر ان سے ملنے آ گیا۔ماموں اس سے ملے جب وہ چلا گیا تو سب سے کہنے لگے۔" پتہ نہیں یہ بغراخاں ہمارے گھر کیسے چلا آیا اس سے تو میری دوستی بھی نہیں ہے۔" اتفاق سے وہ لڑکا دوسرے دن پھر آ گیا۔ میں نے دروازہ کھولا۔اس نے مجھ سے پوچھا۔" تمھارے ماموں گھر پر ہیں۔"میں نے وہیں سے آواز لگائی۔"ماموں، بغراخاں صاحب آپ سے ملنے آئے ہیں۔"ماموں دوڑتے ہوئے آئے اور بہت شرمندہ ہوئے کیونکہ وہ صاحب بھی جاسوسی دنیا کے فین تھے۔ان کو معلوم ہوگیا کہ پورا کلاس ان کو بغراخاں کہتا ہے۔اس کے علاوہ ان کی مختلف کتابوں میں بہت سے

دوسرے زبردست کردار تھے۔غزالہ کے والد نواب رشیدالزماں کا کردار، ساحرہ او رپروفیسر کا کردار، دومتوالوں کا کردار، دودوست جوایک ساتھ اٹھتے بیٹھتے کھاتے پیتے تھے، احمقوں کی انجمن بنانے کا نیا اور دلچسپ خیال وغیرہ وغیرہ۔کرداروں کی ان مثالوں سے ظاہر ہے کہ وہ کردارنگاری کے بادشاہ تھے۔ایک ایسے تخلیق کار تھے جن کے تخیل کی بلندی ان کے کرداروں کو ندرت عطا کرتی تھی۔ابن صفی ایک شاعر اور مصور بھی تھے ان کی یہ خصوصیت ان کی تحریروں میں بڑی شان سے جلوہ افروز ہوئی ہے۔ان کی منظر کشی کبھی کبھی ایک مصور کی بہترین تصویر میں بدل جاتی ہے اور کبھی ایسا لگتا ہے کہ جیسے کسی بت تراش نے ایک حسین مجسمہ تراش دیا ہو یہ ان کی زبان اور بیان کی خوبی اور الفاظ کا جادو ہے جس کا جواب ملنا مشکل ہے۔جیسے کسی جاسوسی دنیا میں سحر سا پیدا کرتی ساحرہ کی خوبصورتی اور دوسری طرف پروفیسر کا خبطی پن لگتا نہیں ہے کہ پڑھ رہے ہیں،ایسا لگتا ہے کہ جیسے ہم ان کو دیکھ رہے ہیں۔ایسے ہی بہت سے کردار ہیں۔اگر وہ اپنے کرداروں کو ایک ماہر مصور کی طرح سچ مچ کی تصویروں یا بت تراش کی طرح مجسموں میں بدل دیتے تو آج ان تصویروں اور مجسموں کی بھی مثال ملنا مشکل ہوتی۔ان کے فن کا یہ تاثر ان کی تحریر میں بہت خوبصورتی کے ساتھ اتر آیا ہے۔ ہپناٹزم کے زیر اثر اس لڑکی کی خوبصورتی کا بیان مجسمہ سازی اور مصوری کی نہ بھولنے والی مثال ہے۔جاسوسی ناولوں کی سب سے بڑی خوبی ان کا سسپنس ہوتا ہے یہ خوبی بھی ابن صفی کے یہاں درجہ اتم موجود ہے۔مجھے وہ کتابیں بہت اچھی لگتی تھیں جن میں آخر تک پتہ ہی نہیں چلتا تھا کہ مجرم کون ہے؟ کبھی کبھی ایسے لوگ مجرم نکلتے تھے جن پر ذرا بھی شک نہیں ہوتا تھا۔یہ جاسوسی ادب کی بہت اہم خصوصیت ہے جس پر ابن صفی چھائے ہوئے ہیں۔ایڈونچر ان کے ادب کا خاص جز ہے۔پہلا شعلہ، دوسرا شعلہ، جہنم کا شعلہ میں یہ ایڈونچر اپنے عروج پر ہے۔زمین کے بادل ایڈونچر کے ایک ایسے جہان میں لے جاتا ہے کہ زمین پر ہوتے ہوئے بھی ایسا لگتا ہے کہ وہ چاند ستاروں کی ان انجان جہانوں کی سیر کروا رہے ہیں جہاں انسان اس وقت پہونچا نہیں تھا بلکہ پہونچنے کی جدوجہد میں مشغول تھا مگر ابن صفی کا قلم، ان کا تخیل ان سے پہلے ہی ستاروں سے آگے کے خوبصورت جہان ڈھونڈھ لایا تھا۔

پھر وقت گزرا تو گزرتا ہی چلا گیا۔ میں نے بہت دن تک ابن صفی اور ان کی کتابوں کا ذکر نہیں سنا۔ مجھے بہت افسوس ہوا کہ اتنے عظیم ادیب کو لوگوں نے بھلا دیا۔ادب کی ہر صنف کی طرح جاسوسی ادب بھی ایک صنف ہے اور جس کے عظیم خالق بلاشبہ ابن صفی تھے۔ میں نے سوچ لیا کہ ابن صفی جو اپنی واحد مثال تھے میں ان پر ضرور لکھونگی۔میں ادب میں ان

کا وہ مقام اور عظمت دیکھنا چاہتی تھی جس کے وہ مستحق تھے۔ پھر کمپیوٹر کے دور نے ایک بار پھر ابن صفی کی دنیا میں پہونچا دیا۔ ان پر زبردست کام ہوتا ہوا دکھائی دیا۔ ابن صفی اور ان کی فیملی کے بارے میں پڑھ کر اور ان کو دیکھ کر بہت خوشی ہوئی۔ ابھی اس کام کو آگے بہت آگے بڑھتے رہنا ہے کبھی نہ ختم ہونے کے لئے۔

مجھے وہ دن یاد ہے جب اخبار میں ابن صفی کے انتقال کی خبر شائع ہوئی تھی۔ ان کے انتقال کی خبر نے میرے گھر میں بھی صف ماتم بچھا دی تھی۔ ہر کوئی رو رہا تھا۔ ابن صفی ہماری فیملی کی طرح تھے۔ گھر کے خاص ممبر تھے۔ ان کے کتنے کردار بھی ان کے ساتھ ختم ہو گئے تھے۔ وہ کردار جو حقیقت سے جڑ گئے تھے۔ سب کو ان سب کا بھی غم تھا۔ سب لوگ اگر افسردہ، غمگین، اور درد میں ڈوبے ہوئے تھے تو یہ تعجب کی بات نہیں تھی ایسا تو ہونا ہی چاہئے تھا۔ وہ ابن صفی کی پہلی کتاب سے لے کر آخری کتاب تک پڑھے ہوئے تھے۔ ایک بار نہیں دس دس بار۔ انہوں نے ابن صفی اور ان کے کرداروں کو بہت چاہا تھا۔ ان کے محبوب ادیب کے ساتھ ان کے تخیل کی شخصیتیں بھی ختم ہو گئیں تھیں جن کو انہوں نے بہت پیار سے اپنا رکھا تھا۔ اس دن گھر پر کسی نے کھانا نہیں کھایا تھا۔ پورا گھر ابن صفی کی وفات کے غم میں ڈوبا ہوا تھا۔ اتنا اعلیٰ مقام، اتنا پیار، اتنی اپنائیت کسی کو نہیں ملی ہوگی۔ یہی ان کی عظمت کے نشان ہیں۔ یہ نشان پیار اور عقیدت بن کر سب کے دل سے لگے ہوئے تھے۔ یہ مضمون ہماری اور ہمارے گھر والوں کی طرف سے ابن صفی کو خراج عقیدت ہے، ان میں سے بہت سے لوگ آج اس دنیا میں نہیں ہیں مگر میرے دل پر اپنی بے پناہ محبت اور عقیدت کے نقوش چھوڑ گئے ہیں جو الفاظ کے سانچے میں ڈھل کر نمودار ہو گئے ہیں۔ اور پوری دنیا کو بتا رہے ہیں کہ ابن صفی عظمت کے ایسے نشان ہیں جو ہمیشہ ادب کے فلک پر آفتاب اور مہتاب بن کر چمکتے رہیں گے۔

(())(())(())(())(())

درخواست: برائے مہربانی گھروں میں اپنے بچوں کو اردو لکھنے پڑھنے میں مدد کریں خواہ وہ معاشی سطح پر کوسی بھی میدان میں جائیں مگر ادب سے دلچسپی کا دیا آپ کو ان کے دلوں میں جلانا ہے۔ ہمیں جلانا ہے۔ ادارہ علیگڑھ اردو کلب۔

''ابن صفی !خود ہی صحرا خود ہی دوانے''

رویدا ضمیر

ہم کو سہارے کیا راس آئیں اپنا سہار ہیں ہم
خود ہی صحرا خود ہی دوانے شمع نفس پروانے ہیں ہم

اس شعر کے خالق نے جس وقت یہ شعر تخلیق کیا تھا اس وقت اس نے سوچا بھی نہیں ہوگا کہ میری آئندہ زندگی اسی شد و مد کے ساتھ گذرنے والی ہے میرا اشارہ اسرار احمد ناروی کی طرف ہے ان کے استاذ انوار الحق کے بقول:

''اسرار احمد بنیادی طور پر ایک شاعر ہیں نازک احساسات اور بلند خیالات کے مالک، طالب علمی کے زمانے میں شاعری ان کا وصف تھی۔''

(میں کسی ابن صفی کو نہیں جانتا۔ ماہنامہ قومی زبان۔ ص ۲۲، اگست ستمبر، ۲۰۱۱)

اس وقت میری مراد کسی اسرار احمد کی سخن فہمی نہیں بلکہ اردو میں جاسوسی ادب کے بے تاج بادشاہ ابن صفی کی تحریروں کا جائزہ لینا ہے۔ سانحہ تقسیم ہند کی وجہ سے اردو جس زوال آلودگی کا شکار ہو گئی تھی ایسے وقت میں جن جن ادیبوں نے اس کی باگ ڈور کو مضبوطی سے تھامے رکھا ان میں ابن صفی کا نام واقعتاً شامل ہے اگر چہ اردو ادب والے بہت دن تک ابن صفی کی ذات سے چشم پوشی کرتے رہے اور کیوں نہ کرتے جب کہ اس مقبول کم عمر ادیب کی وجہ سے ان کی معتبر ذات وان کے خود پسند کارنامے نا اعتنائیوں کے نرغے میں آ گئے تھے۔ لیکن بقول شوق بہرائچی:

یہاں اہل سخن کی قدر بعد مرگ ہوتی ہے!

کے مصداق ابن صفی کی ذات پر بھی جمی گرد کسی قدر چھٹتی نظر آ رہی ہے آخر اردو والوں کو ابن صفی کی قدر و منزلت کا اعتراف کرنا ہی پڑ رہا ہے (یہ سلسلہ ابھی جاری ہے) ورنہ کچھ سال

قبل تک تو اردو داں ابن صفی کا نام سنتے ہی بھڑک جاتے تھے۔ انگریزی ناولوں کا چربہ ہے۔ بکواس ہے۔ وہ کوئی ادب ہے۔ وغیرہ جیسے نشتر سے ابن صفی کی تحریر کو داغدار کیا جاتا تھا۔ لیکن بھلا ہو ابن صفی کے مداحین کا جنہوں نے ہر دور میں ابن صفی کی اہمیت و معنویت کو بلند و بالا کرنے کی کوشش کی۔ اور آج ان کی وہ محنت ضائع نہ ہو کہ ایسی روشنی میں تبدیل ہو چکی ہے جس کی شعاؤں نے آخر اردو ادب کے ٹھیکے داروں کے دلوں کو خیرہ کر ہی دیا۔ زمانہ حال میں رسائل ابن صفی نمبر نکالنے کی تیاریوں میں مشغول ہیں اور دانش گاہیں ابن صفی پر سمینار کرانے کے انتظامات میں منہمک نظر آ رہی ہیں۔

میری ناقص معلومات کے مطابق ابن صفی پر ان کی زندگی میں ہی سب سے پہلے قلم اٹھانے والے مجنوں گورکھپوری ہیں جنہوں نے ''اردو میں جاسوسی افسانہ'' کے نام سے ایک مضمون لکھا تھا اور اس میں ابن صفی کی ناول نگاری کا تذکرہ کیا تھا۔ اگرچہ مجنوں گورکھپوری نے ابن صفی کا ذکر بہت تعریفی تو نہیں کیا ہے لیکن ان کو نظر انداز بھی نہیں کیا ہے بلکہ کسی حد تک انصاف کرنے کی کوشش کی ہے۔ مجنوں گورکھپوری کہتے ہیں کہ ایک زمانے میں انہیں سرّی ادب پڑھنے کا چسکا پڑ گیا اور وہ زیادہ تر انگریزی ناول پڑھ چکے تو اردو جاسوسی افسانوں کی طرف راغب ہوئے:

> ''اول اول جن لکھنے والوں کو میں نے منتخب کیا وہ بالترتیب مسعود جاوید، ابن صفی اور اکرام الہ آبادی ہیں۔ اردو میں جاسوسی ادب کے سلسلے میں جن اولین کے نام میں نے گنائے ہیں ان کے بعد ابن صفی ہی ایسے لکھنے والے ہیں جنہوں نے جاسوسی افسانے کو اپنا مستقل فن بنایا۔ وہ اپنی پوری پوری کوشش کرتے ہیں کہ چند مخصوص کرداروں سے افسانوں کی ساخت کے باوجود واقعات اور آغاز وانجام کے اعتبار سے ان میں تنوعات ہیں۔ ایسے تنوعات جو ایک افسانے کو پچھلے کسی افسانے کی چھاپ نہ بنے دی۔ انہوں نے جس کثرت کے ساتھ جاسوسی ناول لکھے ہیں ان کو پیش نظر رکھتے ہوئے منا ناپڑے گا یہ کام مشکل تھا۔ ابن صفی کے افسانے دوسروں کے افسانے سے غنیمت ہوتے ہیں اور وہ تخیل اور محنت دونوں سے کام

> لے کر اپنے پڑھنے والوں میں سراغرسانی اور سائنسی اکتساب دونوں عملی واقعیت کا احساس پیدا کرتے ہیں۔''
>
> قومی زبان۔ ص، ۹۔۱۰، اگست، ستمبر، ۲۰۱۱

ابن صفی کی تحریر نگاری پر مجنوں گورکھپوری جیسے مشہور زمانہ ناقد نے اپنی رائے ثبت کر دی اور ان کے کارناموں کو سراہا۔ یہ اقتباس ابن صفی کی قدر و منزلت میں کسی حد تک اضافہ کرتا ہے ابن صفی پر اب تک بہت کچھ لکھا جا چکا ہے جس کا احاطہ بھی مشکل ہے۔ ابن صفی نے سری ادب کی تخلیق کیوں کہ اس کے بارے میں یہ واقعہ مشہور ہے کہ وہ کسی مباحثے میں ایک بزرگ کا خیال تھا کہ ''اردو میں صرف جنس ادب ہی اچھی تعداد میں فروخ ہو سکتا ہے'' ابن صفی اس بات سے اتفاق نہ کر سکے اور یہ اختلاف جاسوسی ناول نگاری کی ابتدا ٹھہرا۔ 1952 میں جاسوسی ماہنامے ''جاسوسی دنیا'' کی بنیاد رکھی۔ اردو دنیا میں تہلکہ مچ گیا ہر خاص و عام کو ابن صفی کے ناولوں کا شدت سے انتظار رہتا یہاں تک کہ وہ نام نہاد ادیب جو ابن صفی کی تحریروں کو کوڑا کرکٹ گردانے میں پیش پیش رہتے تھے ان کے تکیوں کے نیچے بھی ابن صفی کے ناول دُبکے رہتے تھے۔ نیاز فتح پوری جنہوں نے اپنے رسالے ''نگار'' میں ابن صفی کو اردو کا ناسور قرار دیا تھا۔ خود ابن صفی کے ناول پابندی سے پڑھا کرتے تھے۔

جناب مشتاق احمد قریشی اس واقعہ کا ذکر کرتے ہیں حیرت اس وقت ہوئی جب وہ نگار کا شمارہ لے کر دور یافت حال کے لیے گئے کہ ابن صفی اردو کا ناسور کیسے اور کیونکر ہیں تو علامہ کے ہاتھ میں ابن صفی کا نیا ناول ''ہشیاری کا ہنگامہ'' نظر آیا۔ جب انہوں نے ناول کے بارے میں پوچھا تو جواب دیا کہ اگر اسے دیکھوں گا نہیں تو مجھے کیسے پتہ چلے گا کہ یہ کیا لکھتا ہے۔ خیر یہ تو ایک جملہ معترضہ تھا لیکن ادب کے سارے ہی پنڈتوں کا حال اس سے جدا نہیں تھا۔

ابن صفی کا پہلا ناول دلبر مجرم 1952 میں منظر عام پر آیا اور 1953 میں انہوں نے پاکستان کے لیے ہجرت کی لیکن سرحدوں کی پابندی ان کی ناولوں کی مقبولیت میں رخنہ انداز نہ ہو سکی ۔ بلکہ دن بدن ان میں اضافہ ہی ہوتا رہا۔ پاکستان میں انہوں نے ''اسرار پبلی کیشنز'' قائم کیا اور عمران سیریز پہلا ناول ''خوفناک عمارت'' 1955 میں قرار داد پایا۔ یوں ابن صفی کے ناول ہاتھوں ہاتھ لیے جانے لگے ایک کے بعد دوسرے ناول کا انتظار کیا جانے لگا۔ لیکن ابن صفی کی ذات آج بھی اعتراضات کے گھیرے میں ہے قارئین انہیں اردو دنیا کا

بے تاج بادشاہ سمجھتے ہیں اور ادبا انہیں ابھی تک پوری طرح سے ادب میں داخل نہیں کر پا رہے ہیں حالانکہ تقریباً نصف صدی گزرنے کے باوجود ابن صفی کے تمام ناولوں میں وہی تازگی اور لطف ہے جو روز اول تھا ان کے ممدوحین نہ پہلے کم تھے نہ آج ابن صفی نے جاسوسی دنیا کے 125 اور عمران سیریز کے 120 ناول لکھے یوں کم وبیش 250 ناولوں کے خالق ابن صفی دیکھتے ہی دیکھتے پاک وہند کے مقبول ترین مصنف بن گئے۔

ابن صفی غیر معمولی ذہانت کے مالک تھے ان کی جیسی نابغہ روزگار ہستیاں کم ہی وجود میں آتی ہیں یہی وجہ ہے کہ اردو دنیا کے نامور ادیب ان کی شہرت سے جلنے لگے تھے۔ ان کی مقبولیت کی ایک مثال یہ بھی ہے کہ ابن صفی کے زمانے میں کئی ان کے ہم قلم پیدا ہو گئے تھے لیکن ان میں سے کوئی بھی ان کے قلم کی گرد تک کو بھی نہیں پہنچ پائے۔ ابن صفی کی تحریروں کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ ان کو بار بار پڑھنے پر بھی اکتاہٹ کا احساس نہیں ہوتا ہے۔ انہوں نے اپنے قلم کے زریعے اردو ادب کو زندگی عطا کر دی۔ وہ لوگ جو اردو نہیں جانتے تھے انہوں نے ابن صفی کے ناولوں کو پڑھنے کے بعد اردو سیکھا۔

دہلی میں ویسٹ لینڈ اور بلافٹ کی طرف سے ان کے چار ناولوں کے انگریزی تراجم بھی شائع ہو چکے ہیں وہ ناول ہیں 'زہریلے تیر' 'پانی کا دھواں' 'لاش کا قہقہہ اور ڈاکٹر ڈریڈ۔ جو انگریزی میں Doctor ،Polsoned Arrow ،Smok water ،Doread ،The Laughing Cropse کے نام سے ہیں ان ناولوں کے سر ورق پر پاکستانی ایٹمی سائنسداں ڈاکٹر عبدالقدیر خان کا یہ تبصر آویزاں ہے:

"The all time greatest Urdu detective story write"

ان ناولوں کو اردو کے مشہور ومعروف ناقد پروفیسر شمس الرحمٰن فاروقی نے ترجمہ کیا ہے۔ یہ ناول جاسوسی دنیا کے 60، 61، 62، 63 نمبر پر آتے ہیں جو 1975 میں لکھے گئے تھے۔ ان ناولوں کا اجرا 22 اپریل 2011 کو ہوا جس میں ابن صفی کے بیٹے احمد صفی بھی شامل تھے جو اس وقت لاہور میں انجینئر اور سائنٹسٹ کے عہدہ پر فائز ہیں۔ ہندی میں بھی ابن صفی کے ناولوں کا ترجمہ کیا جا چکا ہے۔ اس کے مترجمین چودھری ضیا امام۔ اور رحمٰن مصور جامعہ ملیہ اسلامیہ میں ہندی کے اسسٹنٹ پروفیسر ہیں۔

اس سے قبل عمران سیریز کے ۲ ناول 2009 میں انگریزی ترجمہ کے ساتھ شائع ہو چکے

ہیں۔ یہ ناول ہیں خوفناک عمارت، اور چٹانوں میں فائر، اس کا ترجمہ معروف ادیب بلال تنویر نے کیا۔ ابن صفی کی ناول نگاری کا زمانہ تقریباً 28 سالوں پر محیط ہے اور یہی وہ زمانہ ہے جو تاریخ ہندوستان میں انتہائی اندوہناک ہے ملک تقسیم ہو گیا اور فسادات سے بکھرے ہوئے انسان جانے انجانے میں حقیقت سے راہ فرار کے لیے جرم کی دل دل میں پھنستے چلے گئے۔ ابن صفی نے اپنے ناولوں میں ان تمام محرکات وواقعات پر روشنی ڈالی ہے۔ ان کے ناول صرف جاسوسی نہ ہو کر تہذیبی اور تاریخی بھی ہیں۔ ہندوستان پر پوری ممالک کی بالا دستی اب بھی پوشیدہ طور پر برقرار تھی۔ کرپشن، بدعنوانیاں، طاقت جیسے سکّے اپنے پنجے گاڑ ے ہوئے تھے۔ ابن صفی نے اپنے ناولوں کے زریعے سے ان تنظیموں اور ان کے پس منظر میں کارفرما چہروں کو بے نقاب کیا ہے۔ انہوں نے ڈیڑھ متوالے جیسا لاجواب اور پلاٹ کے اعتبار سے شاندار ناول لکھا جس کا اجرا 25 نومبر 1963 کو الہ آباد میں ہندوستان کے سابق وزیر اعظم لال بہادر شاستری نے کیا تھا۔ ی یہ ناول عمران سیریز کا کوہ نور کہا جا سکتا ہے۔

ڈاکٹر ابوالخیر کشفی ابن صفی پر ایک مضمون ''ابن صفی کی یاد میں'' لکھتے ہیں:

> ''پچھلے دنوں طلسم ہوشربا پر لکھتے ہوئے ڈاکٹر عابد رضا بیدار نے یہ نکتہ بیان کیا کہ طویل داستانوں کے لیے عہد حاضر کے قاری کے پاس وقت نہ رہا تو اس نے جاسوسی ادب کے زریعے اپنے ذوق تجسس کی تسکین چاہی اور اس سلسلے میں ابن صفی کی ذات ایک سنگ میل ہے۔''

(بحوالہ۔ ابن صفی شہرت اب سرحدوں کے پار، راشد شرف، کراچی، قومی زبان۔ ص ۴۴)

ابن صفی کے یہاں اردو کے بہت سے متروک الاستعمال ترکیبیں اور محاورے پائے جاتے ہیں انہوں نے اپنے ناولوں کے زریعے سے اردو زبان کی کافی حد تک خدمت انجام دی ہے وہ ترکیبیں جن کو لوگ تقریباً بھول چکے تھے ابن صفی نے ان کو دوبارہ رائج کیا۔ ابن صفی کے جملوں کی برجستگی کی مثال پورے اردو ادب میں صرف منٹو کے یہاں پائی جاتی ہے ورنہ اتنے برمحل مکالمے کم ہی نظر آتے ہیں۔ ابن صفی نے اپنے ناولوں کے زریعے سے موجودہ سماج میں پنپ رہی مغربی تہذیب پر بھی گہرا طنز کیا ہے۔ عورتیں جو مغرب کی ہوڑ میں

عریانیت کی اتنی عادی ہوگئی ہیں کہ دسمبر کی ٹھٹھرتی ہوئی سردیوں میں بھی کلبوں اور ہوٹلوں میں منی اسکرٹ میں نظر آتی ہیں کہ ''مجھے آج تک سمجھ میں نہیں آیا کہ یہ عورتیں کیا انگارے چباتی ہیں۔'' ان کے جملوں میں ظرافت تو پائی جاتی ہے لیکن ظرافت کی چبھن کو بھی محسوس کیا جاسکتا ہے ان تمام جملوں میں ادبی محاسن بخوبی موجود ہیں جو ایک لمحے کے لیے قاری کو جھنجھوڑنے کے لیے کافی ہیں۔ انہوں نے انسان کو جرم سے باز رکھنے کی کوشش کی۔ وہ اپنے ناولوں میں بہت ہی ہلکے پھلکے انداز میں پند و نصیحت بھی کر دیتے ہیں کہ قاری پر گراں بھی نہیں گزرتا اور بات بھی سمجھ میں آجاتی ہے۔

اردو ادب میں ابن صفی ہی وہ واحد ناول نگار ہیں جنہوں نے صرف ہندوستان میں ہی نہیں بلکہ برصغیر کے تمام ملکوں اور براعظموں میں مقبولیت حاصل کی۔ ان کے ناولوں کو ہم یورپی مصنفین کے مقابلے میں آسانی سے رکھ سکتے ہیں۔ ابن صفی پر یہ الزام عاید ہے کہ انہوں نے انگریزی ناولوں کا ترجمہ کیا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ ابن صفی نے اس نقطے پر اپنے ناول ''زمین کے بادل'' کے پیش رس'' میں لکھا ہے۔

> ''دلیر مجرم کا پلاٹ میں نے انگریزی سے لیا تھا لیکن فریدی اور حمید میرے اپنے کردار تھے۔ میں نے اس کہانی میں کچھ ایسی دلچسپیوں کا اضافہ بھی کیا جو اوریجنل پلاٹ میں نہیں تھیں۔ اس کے علاوہ جاسوسی دنیا میں ایسے ناول اور بھی ہیں جن کے پلاٹ میں نے انگریزی سے لیے تھے مثلاً 'پراسرار اجنبی، رقاصہ کا قتل، ہیرے کی کان، خونی پتھر، خود ایک ہنگامے کا کردار، پروفیسر درانی، انگریزی سے آیا ہے صرف کردار۔ کہانی میری اپنے ہے۔ اس طرح پہاڑوں کی ملکہ کا 'بن مانسی' اور 'سفید ملکہ' انگریزی سے آئے ہیں لیکن پلاٹ میرا اپنا ہے عمران کے سارے ناول بے داغ ہیں۔ بمشکل سات آٹھ ناول ایسے نکلیں گے جن میں کسی قسم کی ملاوٹ مل سکے ورنہ بقیہ سب خالص ہیں وہ پانچ ناول جن کے پلاٹ میں نے انگریزی سے لیے ہیں ترجمہ نہیں ہیں ایک ایک سطر پر میرا دعویٰ ہے۔''

ابن صفی کے ناولوں کی سب سے بڑی خوبی بقول خالد جاوید:

> ''ابن صفی کے یہاں مافوق الفطرت عناصر نہ کے برابر ہیں۔ جنسی

> معاملات سے بھی یہ ناول قطعی طور پر پاک ہیں۔ یہ کسی خیالی یا تمثیلی دنیا کی کہانیاں نہیں ہیں۔ یہ تمثیل اور علامت بھی نہیں ہیں۔ یہ سچے اور حقیقی بیانیہ پر مبنی ہیں اور حقیقت نگاری کی اس روایت کی بھی پاسداری کرتی نظر آتی ہیں جو ترقی پسند ادب کی دین تھی۔''
>
> (ابن صفی، چند معروضات۔ص، 102-103)

ابن صفی کے شہرہ آفاق کردار فریدی، عمران، حمید، قاسم اپنی مثال آپ ہیں جن کا ثانی اردو ادب میں آج تک کوئی پیدا نہ کرسکا۔ فریدی کی عورت سے بیزاری اپنی جگہ درست کیونکہ وہ جانتا ہے کہ عورت وہ ناسور ہے جو مرد کو بے کار کر دیتی ہے۔ اور مرد بے چارہ اپنی ذہنی توانائیاں برقرار رکھنے سے قاصر ہو جاتا ہے۔ حمید جو بظاہر تو ایک مسخرہ ہے لیکن اس کے مسخرے پن میں کتنی جامع اور پر مغزیت چھپی ہوئی ہے اس کا اندازہ لگانا مشکل ہے۔ کلب میں بکرا لے کر جانا اور اس کے داخلے کی اجازت نہ ملنے پر یہ اصرار کہ اگر خواتین اپنے پالتو کتے کلب میں لاسکتی ہیں تو بکرے کے لیے کلب میں داخلہ کیوں نہیں؟ پورے سماج پر ایک احتجاج ہے۔ قاسم ایک گرانڈیل قسم کا نوجوان ہے جو بظاہر تو بہت لاپرواہ اور صنف نازک کا دلدادہ ہے لیکن جرائم کے خلاف وہ بھی ایک لاوا بن جاتا ہے۔ اور سب سے جاندار کردار عمران کا ہے جو ہر لحاظ سے مکمل ہے وہ فریدی کی طرح عورتوں سے بے زار بھی نہیں ہے بلکہ موقع بہ موقع دل لگیاں بھی کر لیتا ہے اور اپنے کام کے لیے حمید کی طرح بے زار بھی نہیں رہتا بلکہ وہ ایسے نرم لوہے کی مانند ہے جو ہر صورت میں خود کو ڈھال کر پیش کر دیتا ہے۔

ابن صفی کے ناولوں کی زبان کے بارے میں مجنوں گورکھپوری لکھتے ہیں:

> ''ابن صفی کی زبان ایسے معیار کی ہوتی ہے جو تعلیم یافتہ طبقے میں بھی قبول اور پسند کی جائے ان کی زبان میں ادبی چاشنی بھی ہوتی ہے اور محاوروں کا لطف بھی ہوتا ہے جو افسانے کی گہرائی اور دلکشی کو برقرار رکھنے میں مدد دیتا ہے۔
>
> (اردو میں جاسوسی افسانہ۔ قومی زبان۔ص ۱۲، اگست ستمبر 2011)

ابن صفی کے ناولوں میں تا آخر یہ تجسس برقرار رہتا ہے کہ آگے کیا ہوگا لیکن اس کے باوجود ہمیں فریدی، حمید، قاسم، وغیرہ کے ساتھ اچھا وقت گذارنے کا موقع ملتا ہے۔ گیسے

(GASSEI) جیسے بڑے فلسفی اور ادب شناس نے اسے ناول کی اصل اساس قرار دیا ہے۔ابن صفی نے اپنے ناولوں میں سائنسی آلات اوران کے استعمال کا جو ذکر کیا ہے وہ بھی لائق تحسین ہے ان کے ناولوں میں جوایڈونچرس پایا جاتا ہے یا کسی بھی ملک کے رہن سہن اور جغرافیائی حالات پر تبصرہ ہے وہ ان کے وسیع مطالعے کی بین دلیل ہیں۔''ماحول کے بارے میں ممکن آگاہی ان ملکوں کے بارے میں مواد جمع کر کے اس کا بغور مطالعہ کرتے تھے اور ضرورت پڑنے پر متعلقہ سفارت خانے سے بھی مدد لیا کرتے تھے۔''

(بحوالہ۔ابن صفی۔شہرت اب سرحدوں کے پار۔راشد شرف کراچی،قومی زبان،ص۴۰)

ابن صفی نے اپنے ناولوں میں تقریباً تمام ہی موضوعات پہ روشنی ڈالی ہے سماج ومعاشرہ میں شاید ہی کوئی ایسا رخ ہوگا جسے ابن صفی نے آئینہ نہ دکھایا ہو ان کے ناولوں میں اگر جرم کے خلاف نعرہ بازی ہے تو مجرموں کے بے نقاب کرنے کے ہتھکنڈے بھی۔مغربی تہذیب پر لعن وطن ہے تو مٹتی ہوئی جاگیرداری پر بھی خامہ فرسائی ہے۔اور ان سب سے بڑھ کر مجرموں کی دلی جذبات کی بھی ترجمانی ہے ایسے بہت سے مجرم ہیں جن سے دوران مطالعہ ہمیں ہمدردی محسوس ہوجاتی ہے وہ کہیں نہ کہیں جنسی کجروی یا احساس کمتری میں مبتلا ہوتے ہیں۔ابن صفی اپنے موضوعات کے بارے میں خود گویا ہیں:

''حیات وکائنات کا کون سا ایسا مسئلہ ہے جسے میں نے اپنی کسی نہ کسی کتاب میں نہ چھیڑا ہو۔لیکن میرا طریق کار ہمیشہ عام روش سے الگ تھلگ رہا ہے۔''

یہ بات کسی حدتک درست ہے کہ ابن صفی نے اپنے معاصرین سے ہٹ کر ناول لکھے انہوں نے جاسوسی ادب میں لپیٹ کر سماج کو مروجہ برائیوں سے نپٹنے کا آلہ عطا کیا۔ان کے تمام ہی ناولوں میں بھرپور ادب پایا جاتا ہے جو اپنے قاری کو جھنجھوڑنے کے لیے کافی ہے۔پاکستان کے مشہور مصنف اور''ماہر اقبالیات''جناب خرم علی شفیق کی کتاب''سائکومینشن''ہے جو ابن صفی کے ناولوں کے اقتباسات اور تبصروں پر مشتمل ہے۔یہ کتاب 5 فروری 2011 کو انٹرنیشنل لٹریچر فیسٹیول میں شائع ہوئی۔یہ ایک تحقیقی کتاب ہے جس میں خرم علی شفیق ابن صفی کے حوالے سے رقم طراز ہیں:

''ان سے بہتر نثر شاید (مرزا غالب اور محمد حسین آزاد کو چھوڑ کر) اردو میں کسی اور نے نہیں لکھی۔اگر اقبال کی شاعری کو الہامی شاعری

کہا جاتا ہے تو ابن صفی نثر کو الہامی نثر کہا جاسکتا ہے۔''

بحوالہ نقوش۔اداریہ۔عارف اقبال،علامہ دہشت ناک۔ص۳

جناب خرم علی شفیق کی دوسری کتاب''رانا پیلس''ہے یہ کتاب بھی ابن صفی پر لکھی گئی ہے۔ اور ابن صفی کی ادبی قدر ومنزلت کو اجاگر کرنے میں کافی حدتک کامیاب نظر آتی ہے۔ابن صفی کے بارے میں مشہور ومعروف نقاد پروفیسر گوپی چند نارنگ کی رائے کچھ اس طرح ہے:

''ابن صفی نے کئی نسلوں کی ذہنی آبیاری کی ہے۔ابن صفی کو اردو والوں نے ہی نہیں بلکہ دیوناگری والوں نے بھی کافی پڑھا ہے۔ابن صفی کی مقبولیت اور شہرت سرحدوں میں قید نہیں اس لیے انہیں نظرانداز کرنے کے بجائے ہمیں ادب میں معیار بندی کے اپنے رویے کو تبدیل کرنا چاہیے۔''

(بحوالہ''جاسوسی ادب کے تاجدار،ابن صفی''قاسم بن ظہیر، بزم سہارا،ص۵۲،ستمبر۲۰۱۰)

ابن صفی کے ناولوں کو صرف مزاح میں نہیں ٹال سکتے۔ابن صفی اصل میں ایک ایسے دانش ور اور مفکر تھے جنہوں نے مزاح کے زریعے بڑی سے بڑی بات پر نکتہ چینی کردی ہے خالد جاوید کے نزدیک''شفیق الرحمٰن کے بعد ابن صفی اردو کے واحد مزاح نگار ہیں جن کے یہاں مزاح کی نوعیت پنچایتی نہ ہوکر انفرادی ہے۔''(ابن صفی چند معروضات۔ ص۱۰۸)ابن صفی کے ناولوں کا جب ہم بغور مطالعہ کرتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ ان کے ناولوں میں صرف قومی ہی نہیں بلکہ بین الاقوامی سطح پر جرائم کی نقاب کشی کی گئی ہے۔ابن صفی نے ان قبائلوں کی زندگی اور اس میں درپیش دشواریوں پر بھی نظر کی ہے جنہیں شاید ہی اردو کے کسی ادیب نے لائق توجہ سمجھا ہو۔گویا ابن صفی ایک مصلح تھے جنہوں نے ہر قوم وسماج میں پھیلے ہوئے جرائم اور ان سے لڑنے کا ہنر عطا کیا ہے ان کے ناولوں کو صرف یہ کہہ کر نظرانداز نہیں کیا جاسکتا ہے کہ یہ جاسوسی ہیں بلکہ ضرورت اس بات کی ہے کہ ان کا بغور مطالعہ کر کے ان میں پائی جانے والی ادب کی چاشنی کی شناخت کی جائے۔امید افزخبر ہے کہ جامعہ ملیہ اسلامیہ میں ابن صفی کے ناولوں کو پی۔ایچ۔ڈی کا موضوع تفویض کیا گیا ہے جو ابن صفی کی قدر ومنزلت کے خوش آئند مستقبل میں اہم اضافہ ہے۔

(())(())(())(())(())

ابن صفی کے ناولوں سے اقتباسات

احمد صفی

''ان کا طرزِ حکومت جمہوری کہلاتا ہے۔ جس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ مغز چند آدمیوں کے حصّے میں آئے اور ہڈّیاں عوام کے سامنے ڈال دی جائیں۔ یہ اپنے مسائل طاقت سے ہی حل کرتے ہیں مگر اسے اشتراکِ باہمی کا نام دیتے ہیں۔ اس کے حاکم خود کو عوام کا نمائندہ کہتے ہیں۔ عوام ہی انھیں حکومت کے لئے منتخب کرتے ہیں لیکن یہ ان کی مالی قوت ہی ہوتی ہے جو انھیں اقتدار کی کرسی پر پہنچاتی ہے لیکن وہ اسے عوام کی قوت اور رائے عامّہ کہتے ہیں۔ حالانکہ رائے عامّہ مالی قوت ہی سے خریدی جاتی ہے۔ انھیں منتخب ہونے کے لئے اپنے مخالفوں کے خلاف بڑے بڑے محاذ قائم کرنے پڑتے ہیں۔ ایک خطرناک جنگ شروع ہوتی ہے اور اس جنگ کو 'رائے عامّہ ہموار کرنا' کہا جاتا ہے۔ اس میں بھی طاقت ہی کی کارفرمائی ہوتی ہے۔ آخر ایک آدمی مخالفوں کو کچلتا ہوا آگے بڑھ جاتا ہے۔''
(تیسرا شعلہ، جاسوسی دنیا)

''...بس جمہوریت کے ڈھول پیٹے جاتے ہیں، شائد کوئی بھی نہیں جانتا کہ جمہوریت کس چڑیا کا نام ہے یا پھر اس کی طرف سے مصلحتاً آنکھیں ہی بند کر لی گئی ہیں... بنیادی چیز آدمی کو اپنے مقام کا عرفان ہے۔ جب تک آدمی اپنا مقام نہیں پہچانے گا کسی نظام کو ڈھنگ سے نہیں چلا سکے گا۔'' (دہشت گر، جاسوسی دنیا)

''ہماری زمین کے سینے میں کیا نہیں ہے، مگر ہم مفلس ہیں... کاہل ہیں... ہمیں باتیں بنانی آتی ہیں۔ ہم تقریر کر سکتے ہیں۔ ایک دوسرے پر اپنی ذہنی برتری کا رعب ڈال سکتے ہیں۔ ایک دوسرے کی جڑیں کاٹنے کے لئے اپنی بہترین ذہنی صلاحیتیں ضائع کر سکتے ہیں۔ لیکن ہم سے تعمیری کام نہیں ہو سکتے۔'' (شیطان کی محبوبہ، جاسوسی دنیا)
''ٹیچر آدمی کو بری طرح الّو بناتی ہے۔ وہ ورڈز ورتھ ہو جاتا ہے، کیٹس ہو جاتا ہے، بائرن ہو جاتا ہے... میر ہو جاتا ہے، غالب ہو جاتا ہے۔ دفتر کے دفتر سیاہ کرتا ہے!... مگر مقصد... مقصد

ان سب کا صرف یہ ہوتا ہے کہ وہ ایک بچّے کا باپ بننا چاہتا ہے۔'' (لڑکیوں کا جزیرہ، عمران سیریز)

''برتر وہی ہے جو بے وقوف ہے! جتنا بے وقوف اتنا ہی برتر! پہلے مرد عورت پر حکومت کرتا تھا... طاقت سے۔ اب بے وقوف یعنی برتر بنا کر حکومت کرتا ہے۔ برتر بنا کر حکومت کرنے میں اسے دہرا فائدہ ہے... یعنی عورت پر دہری ذمّہ داریاں عائد ہو جاتی ہیں۔ وہ انھیں خود سے برتر بنا کر گھروں کی چار دیواریوں سے نکال لاتا ہے... انھیں اپنے دوش بدوش کام کرنے کا موقع دیتا ہے... رہ گئے چار دیواری والے فرائض تو عورت انھیں عادتاً انجام دیتی ہے۔'' (آہنی دروازہ، عمران سیریز)

''بیسویں صدی کے نصف کے بعد کا ذہن جھنجھلاہٹ کا شکار ہے۔ تم جانتی ہو کہ تخریب پسندی کی بنیاد جھنجھلاہٹ ہی پر ہوتی ہے اور یہ جھنجھلاہٹ تخریب کاری کے لئے بہانے تلاش کرتی رہتی ہے۔ اور تم یہ بھی جانتی ہو کہ غیر یقینی حالات نے آدمی کو مستقبل سے مایوس کر دیا ہے، لہٰذا وہ ہر چمکدار چیز کے پیچھے دوڑنے لگتا ہے خواہ وہ آگ ہی کیوں نہ ہو!'' (رائی کا پربت، عمران سیریز)

''میں جانتا ہوں کہ حکومتوں سے سرزد ہونے والے جرائم، جرائم نہیں حکمتِ عملی کہلاتے ہیں۔ جرم تو صرف وہ ہے جو انفرادی حیثیت سے کیا جائے۔'' (جونک کی واپسی، عمران سیریز)
''تربیت ضروری چیز ہے۔ یہ کیا کہ ایک معمولی کلرک کو کلرکی کا امتحان دینا پڑے۔ ایک پولیس کانسٹبل رنگروٹی کا دور گذارے بغیر کام سے نہ لگایا جائے لیکن ترکاریوں کے آڑھتی، بے مرمّت جاگیردار اور گاؤدی قسم کے تاجر براہِ راست اسمبلیوں میں جا بیٹھیں اور قانون سازی فرمانے لگیں اور ان ہی میں سے کچھ کابینہ کے ارکان بن جائیں... سوچنے کی بات ہے کہ نچلی سطح پر امتحانات اور ٹریننگ کا چکر چلتا رہے اور اوپر جس کا دل چاہے پہنچ جائے۔ ۔۔بس جیب بھاری ہونی چاہئے۔۔۔ نہ کوئی امتحان اور نہ کوئی ٹریننگ...'' (جنگل کی شہریت.....عمران سیریز)

''آدمی کتنا پیاسا ہے۔تم اسے پیاسا سمندر کہہ سکتی ہو جو پانی ہی پانی رکھنے کے باوجود بھی ازل سے پیاسا ہے اور اس وقت تک پیاسا ہی رہے گا جب تک کہ اسے اپنا عرفان نہ ہو جائے۔لیکن ابھی اس میں ہزار ہا سال لگیں گے،ابھی تو وہ بچوں کی طرح گھٹنوں چل رہا ہے۔ابھی تو وہ چاند میں جانے کی باتیں کرتا ہے۔اس کی ذہنیت اور سوجھ بوجھ اس بچے سے زیادہ نہیں ہے جو ماں کی گود میں چاند کے لیے مچلتا ہے۔وہ مصنوعی سیارے اڑا کر اسی طرح خوش ہوتا ہے جیسے بچے صابون کے بلبلے اڑا کر مسرور ہوتے ہیں اور ایک دوسرے سے شرطیں لگاتے ہیں کہ دیکھیں کس کا بلبلہ دیر تک فنا نہیں ہوتا.....چاند کا سفر آدمیت کی معراج نہیں ہے۔چاند کی باتیں تو ایسی ہی ہیں جیسے کوئی اپنے اصل کام سے اکتا جائے اور بیٹھ کر گنگنانا شروع کر دے۔''(پیاسا سمندر.....عمران سیریز)

''ویسے اسے اچھی طرح سمجھ لو کہ آدمیت کی معراج صرف حماقت ہے۔میں یہ بھی تسلیم کرتا ہوں کہ آدمی کو ابھی اپنا عرفان نہیں ہوا،جس دن بھی ہوا وہ احمق ہو جائے گا اور یہی اس کی معراج کہلائے گی۔''

(پیاسا سمندر.....عمران سیریز]

(())(())(())(())(())

(بقیہ۔۔۔صفحہ۔۔۔۱۰)

جس کے اثرات کئی میلوں تک نظر آتے ہیں اور نتیجتاً ایسے لوگ صرف صنف نازک کے ہی دشمن نہیں ہیں بلکہ اپنی قوم کو صدیوں پیچھے لوٹانے کے بھی ذمہ دار ہیں۔کبھی مذہب کے نام پر،کبھی نفرت کے نام پر،کبھی سماج کے نام پر یہاں تک کہ محبت کے نام پر بھی عورت کا استحصال کرتے رہتے ہیں۔بار بار اسے یہ احساس دلایا جاتا ہے کہ وہ کمزور ہے اور بنا کسی سہارے کے اپنی زندگی نہیں گزار سکتی۔عورت کو کچل کر رکھنے والوں کو کہیں یہ ڈر تو نہیں کہ ان کی کھوکھلی طاقت کے دعوے غلط ثابت ہو جائیں اور معاشرے پر ان کی گرفت کمزور نہ ہو جائے۔ناری شکتی کو سلام کرنے کے لیے ان کے آتشی جسم میں جھکنے کی طاقت نہیں۔اللہ کی رحمت اور گھر کی برکت کو روند کر انہیں کہیں اپنے شیطانی چہرے پر پڑے انسانی نقاب ہٹ جانے کا خوف تو نہیں؟ کہیں ابلیس کو یہ خوف تو نہیں کہ حوا اپنا انتقام نہ لے لے؟ اپنی مصروف زندگی میں سے صرف چند ثانیے نکال کر ذہن پر ہلکا سا زور ڈال کر ان سوالات پر غور کرنے کی ضرورت ہے۔

ابنِ صفی پر ایک مکالمہ
پیشکش
علیگڑھ اردو کلب

(۲۰۰۸ء میں علیگڑھ اردو کلب پر ایک ابنِ صفی پر بہت بات ہوئی تھی۔وہ تمام مکالمے اور برقی خطوط میں یہاں اس گوشہ میں شامل کر رہی ہوں جو ہمارے فورم کے ممبران نے بھیجے تھے۔چونکہ ان میں سے اکثر انگریزی میں یا رومن انگریزی میں ہے چاہتی تھی کہ انہیں اردو میں ترجمہ کے ساتھ بھیجوں مگر وقت کی قلّت نے ایسے عملی جامعہ نہ پہنّے دیا۔سو وہ اُسی طرح پ تمام قارئین کی نذر ہے۔۔۔آپ سب کے ذوقِ ادب کے واسطے۔۔۔۔)

ALL ABOUT IBN-E-SAFI
By: Syed-Mohsin Naquvi
24 December 2005 (Revised January 2008)

I have always loved detective stories and action thrillers. Since I was born in an Urdu speaking environment, I started with Urdu. The very first of such stories that I remember from my early childhood were the translations of Arsene Lupin done by Munshi Teerath Ram Ferozpuri. Arsene Lupin is a character (a gentleman thief) created by the French writer Maurice Leblanc.

The next set of books I read in that genre were written by an author named Khan Mehboob Tarzi. His Urdu was absolutely immaculate language of the Ratan-Nath-Sarshar school that we read in Fasana-e-Azad. The three books that I read by Tarzi were: (1) TURPA'EE
(2) PAYGHAAM-E-AJAL , and
(3) AWADH KE BAANKAY. This last one was an action-packed thriller of the 18th century Lucknow full of palace intrigues that took the reader from Lucknow all the way to Iran and back.

When I grew up and learned English, I got hooked on Agatha Christie and Earl Stanley Gardner, and of course, Sherlock Homes. That helped me learn to do speed-reading. And then came the James Bond stories of Sir Ian Fleming.

Let us now come to our favourite writer.

There was a person named Abbas Husaini who lived in Allahabad , U.P.

I am talking about late 1940's and early 1950's. Allahabad had a good Urdu speaking circle. The university at Allahabad had been there for a while as a center of learning and as a center of culture and civilization.

Just to give you an idea of what that circle was like, let me add that the family of the late Pandit Jawaharlal Nehru had been in Allahabad for several generations. Their palatial residence known as ANAND BHAWAN was donated by Jawaharlal for the public good and it now houses a public hospital. The family of Akbar Allahabadi, the famous Urdu poet, had been there for several generations.

Akbar Allahabadi also had a mansion built for his family and it was named for his son as ISHRAT MANZIL. MotiLal Nehru (Jawharlal's father) had named his palace by translating the Arabic/Urdu name ISHRAT MANZIL into Hindi as ANAND BHAWAN. Akbar's son, Khan Bahadur Ishrat Husain, had married the youngest daughter of Nawab Ahmad Husain Khan of Paryanwan, another small state lying on the railway line between Lucknow and Allahabad . The Nawab himself was an author and a poet. My late grandmother used to tell me that the railway service between Lucknow and Allahabd was inaugurated in 1914. Ten miles from Paryanawan is the Unchahar station. If a train was standing at Paryanawan with the engine headlamp on, we would be able to see it from Unchahar. Two miles down the road from Unchahar station lies the village of Mustafabad , where my grandfather, Mir Syed Diyanat Husain, lived on his lands.

Mustafabad is also the hometown of another Urdu scholar and educationist named Syed Zamin Ali. It was actually Syed Zamin Ali who had established the department of Urdu at Allahabad University and he had actually retired from there. The famous girls college of Lucknow named Karamat Husain Girls college began in 1912 in Allahabad as a girls school.

Abbas Husaini had a circle of friends which included writers, thinkers and poets. Abbas Husaini himself was a man of some consequence. He had lands in and around Allahabad . That circle of friends, which also was joined later by the late Syed Ehtesham Husain, when he had joined the University of Allahabad as the professor of Urdu in the late 1950's, was active as a discussion group. During those discussions, one day the topic was "WHAT IS THE FUTURE OF URDU PUBLICATIONS?" The general line that was emerging in that discussion was that the only viable (Urdu) literature that was going to sell in the near future was pornographic literature. There indeed was a market for such books. They were sold and circulated by a black-market kind of book-sellers and private libraries. The most famous name in that line was that of WAHI WAHAANAVI. This was a pen-name for obvious reasons and no body knew the true identity of that person.

A person named Asraar Ahmad intervened in that discussion and said that there was a market for yet unexplored literature in Urdu and that was for Detective Stories and Crime Thrillers. Others disagreed with that line of reasoning. Asraar Ahmad took it upon himself to produce a prototype. Abbas Hussaini vowed to support that publication. He had also owned a printing press. As a side effect, three other members of that group volunteered to produce the so-called Roomanavi novels. The only names I remember now in that group are those of Shakil Jamali (I think he passed away a couple of years ago --- I met him in Karachi in the 1970's) and Ibn Saeed. C.M. Naim has mentioned Shakil

Jamali's name in one of his Annuals of Urdu Studies articles.

Anyway, Asraar Ahmad produced his first prototype under the banner of Jasoosi Dunya (The World of Espionage) in 1952. He had chosen his pen-name as Ibn-e-Safi. The name of that novel was DILAIR MJRIM. After reading a lot of Ibn-e-Safi and after meeting him in 1972, I came to the conclusion that Ibn-e-Safi was a very widely read man. I will not be surprised if he got that name for his maiden novel from Hafiz, from his famous line: CHEH DILAWAR AST DUZDEH KI BAKAF CHARAAG DARAD

I was a student of seventh grade in Lucknow in those days.. The book was produced in the shape of the penny-books of England and the Beadle's Dime Books of America. Let me just give you an idea about the Dime Books by a quote:

"BEADLE'S DIME BOOKS (from North American Review, July 1864, pp. 303-309)

Beadle's Dime Books.--Novels and Library of Fiction; Biographies; Song-Books; School Series; Hand-Books for Popular Use; Hand-Books of Games, &c.; &c., &c. New York . 1859- 1864. 12mo.

A young friend of ours was recently suffering from that most harassing of complaints, convalescence, of which the remedy consists in copious draughts of amusement, prescribed by the patient. Literature was imperatively called for, and administered in the shape of Sir Walter Scott's novels. These did very well for a day or two,--when, the convalescence running into satiety of the most malignant type, a new remedy was demanded, and the clamor de profundis arose. "I wish I had a Dime Novel." The coveted medicament was obtained, and at once took vigorous hold of the system. The rapidity of cure effected by it induced us to investigate somewhat more deeply into the attractions and character of the "Dime Books" of all kinds, and a pile of forty-five volumes--all, with the exception of a few double numbers, sold at

ten cents each--lies before us, being merely a selection from among them.

These works are issued by Messrs. Beadle & Co., of New York , in virtue of an enterprise started in the year 1859. They already amount to several hundred separate publications, and circulate to the extent of many hundred thousands. This need hardly be stated to any one who is in the way of casting his eye on the counter of any railway book-stall or newsdealer's shop. But the statistical statement, from authority, may excite some interest,--that, up to April 1st, an aggregate of five millions of Beadle's Dime Books had been put in circulation, of which half at least were novels, nearly a third songs, and the remainder hand-books, biographies, &c. After this we are prepared for colossal statements as to the millions of reams of paper employed, &c. The sales"

(End Quote from: http://www.merrycoz .org/books/ BEADLE.HTM)

This turned out to be a master marketing ploy. The price of the first proto-type of Jasoosi Dunya was kept at ten annas (An Indian Rupee had sixteen annas). In its buying power, a Rupee was stronger than the Dollar but much weaker than a sterling pound - just to give you a comparison. The first mass-market Urdu paper-back was an overnight success. That in the 1950's of India , where the government policy was to shun Urdu and propagate Hindi was going ahead with full steam.

Let me first give you an overview of the series that became a best seller in a few months time.

Asraar Ahmad wrote with the pen-name IBN-E-SAFI. He wrote absolutely fluent Urdu. He translated the most common English expressions in simple Urdu and expressed his ideas, thoughts, feelings and events with such simplicity and great graphic details that he created a new world of fantasy for his readers. But for the readers, it was a real world where people moved, lived and died.

It was a remarkable world..

In that process, Ibn-e-Safi introduced some of the most common English phrases known only to English speaking world such as: "COVER ME." He would translate that only to the extent of: MUJHE COVER KARO. At the same time he introduced some new phrases in pure Urdu such as: "IS SARDI MAIN TO MAYN MARNE SE BHI EHTERAAZ KARUNGA (I would even avoid dying in this cold weather.) The interesting word here is EHTERAAZ (to avoid) is a purely Arabic word from the Arabic root H-R-Z. However, the fluency of the narration that Ibn-e-Safi had achieved did not allow any hindrance in comprehension for an Urdu-reader who was being introduced to such deep Arabic the very first time. This was not your common every-day Urdu of the Lucknow streets.

The two main characters of the series were Detective Inspector Ahmad Kamal Fareedi, later promoted to honourary Colonel in one of the episodes and Detective Seargent Sajid Hameed later promoted to honourary Captain in the same episode. Fareedi came from a very wealthy family of land-owners (Nawab) who were independently wealthy and did not have to care for money. That was the pretext for Fareedi and Hameed being above and beyond any corruption which was and still is the hallmark of both Indian and Pakistani police - a "glorious" heritage that the British left with us.

Fareedi was over six foot tall, very strong, muscular and virile handsome young man, who could move mountains with his bare hands. Fareedi is a very disciplined person. For that, Ibn-e-Safi created him out of an Afridi Pathan heritage who had been Urdu-ized over years. Actually that character is based on some facts. A town named Malih Abad, close to Lucknow , is inhabited by the ex-Pathans from the Frontier Province . Most of them own mango groves. The SAFAYDA of Malihbad is famous for its unique fragrance and taste. Most of the men in that

population are very good-looking, fair, well-built and true to that portrayal of chivalry shown in Inspector/Colonel Fareedi. Most of the Afridi tribe living in Lucknow and the surrounds have changed their surname to Fareedi by dropping the initila 'A.' They are Pathans in looks but culturally they are true UPites. The famous Urdu poet Josh Malihabadi was one of them.

Fareedi is a graduate of Cambridge University where he has done original research in criminology. So he fights crime as a professional, not just as a government servant. He is always in full command of his self and knows exactly what he is doing. He has curbed his sexual instincts and diverted all his energies wholeheartedly to catch the criminals of the world. In one of his weakest moments, Ibn-e-Safi portrays Fareedi facing Ghazala, a beautiful girl, who is the daughter of another Nawab and an old friend of Fareedi's father. All he can say to Ghazla was: AAP BAHUT ACHHI LAGTI HAYN. As Ghazala looks to him in anticipation, he holds his own instincts back and does not do any more. That was in number 6, the title being PUR ASRAAR KUNWAN.

I did not meet Ibn-e-Safi until 1972, when I had moved to England and he to Pakistan . I met him in 1972 during one of my visits back home from England. So, I asked him about this particular trait that he had created in his hero. He explained to me. The reckless disregard of danger for fighting crime and the daring that he had envisaged for his hero was not possible in any man without curbing his sexual instincts and desires.

Seargent Hameed, on the other hand, is a playful young man, with an eye for beautiful girls. He also drank occasionally and even got drunk. Fareedi, eventhough, had always kept all kinds of wines and even hard liqueurs in his closet, he himself never drank. He hated the habit but felt that it was necessary for his work. In one of the episodes, he finds Hameed drinking with some men and girls. He picks up Hameed by grabbing him by the

neck. Drives him home and then takes him to the bathroom. He holds Hameed under a cold shower until he is completely exhausted and then throws him in the bed for him to get out of the stupor and the hangover.

Another distinct characteristic of Ibn-e-Safi is the creation of woman characters. He never shows those women as objects of sex. Those women are shown as respectable and seem to have their own will. As a writer he shows a lot of respect for the fair sex.

Ibn-e-Safi produced one such novel every month. Not only did the series become a money-maker for both Ibn-e-Safi as well as for Abbas Husaini, Asraar Ahmad proved his point that he had raised years ago in that private meeting with his friends.

Most of his readers were middle-class Urdu-speaking crowd all over India and later in Pakistan , but the series was popular in a very diverse readership. I still remember during my school days in my old neighbourhood in Lucknow , there was a rikshaw stand. All the rickshaw drivers would come and rest there after-hours. Many of them who were single and had come to Lucknow to earn a living as labourers had nowhere to go after dark. They would stand their rickshaws by the road side and sleep in their rickshaws. Many of them had got hooked on to Ibn-e-Safi. But they were all stone-illiterate. They were farmers from places like Gonda, Barabanki and other surrounding areas of Lucknow . Every month they would find a young man who would be able to read Urdu - but only just. They would rent the new Ibn-e-Safi book from the corner-library for two-annas (that was an average fair for the Rickshaw in those days - but the rickshaw drivers used to share that money among four or five of them) and the one literate person would read the book out loud to them under the street light - that was the extent of the popularity Ibn-e-Safi had acquired in a very short period of time.

Ibn-e-Safi introduced his readers to such western ideas

as night-clubs, luxury hotels, Cadillac and Lincoln (air-conditioned) cars, 38 bore service revolvers (one of which was always carried by Inspector/Colonel Fareedi), and many other names of places and objects which I myself learned only after I traveled around the world. I came to live in Princeton only in 1985 after we moved to the United States . But I came across the name ' Princeton' thirty years before that in Ibn-e-Safi's novels.

Ibn-e-Safi got his material from his wide reading of both local as well as western works. He seems to have borrowed from Agatha Christie, Ian Fleming, Earl Stanley Gardner, Mickey Spillane, Arthur Connan Dyle and many mothers.

A year passed very quickly, Ibn-e-Safi produced eleven novels, one every month. Each one of those used to be 120 pages and priced at ten annas. It was only after I had published one of my own books in 1992 that I realized the significance of the number 128. For Urdu (as well as Farsi and Arabic) books have to be transcribed by hand on special paper (in Urdu it is called a MISTAR, in English it is butter paper.) That then is transferred onto brass-plates. The large amount printing is done from those brass-plates. This is your standard photo-offset process (there is also a camera involved in the middle). Previously, it was done from stone-blocks and that process is called litho-graphic printing. Anyway, the brass plate can either take eight, sixteen or thrity-two pages of a standard book. Because of the process of the folding of the pages, the total number of pages in a bound book has to be a power of two. Because it will be most efficient cost-wise to print both sides of the paper at the same time, 128 is the optimum number of pages in a book to print exactly in two brass-plates. So Ibn-e-Safi's work was not only brilliant writing, it was done under the most pressing marketing and pricing structures.

NOTE: The advent of computers and software which can take Urdu typing to disk, has facilitated the desk-top printing of Urdu

works.

The twelfth issue of Jasoosi Dunya was a special number. It was some two-and-half times thicker than the standard issue. It was a thriller-cum- adventure story. Ibn-e-Safi had set the main plot in Egypt and it was named "Mawt ki Aandhi" (The Tornado of Death). The story is brilliant and Ibn-e-Safi's narrative touched new heights of excellence in that story. He draws such a picturesque image in that story that the reader finds himself a part of the great adventure. It is one of the most interesting mystery stories of Ibn-e-Safi.

Ibn-e-Safi was a prolific writer. His art improved with every new story. It looked like he had an unlimited amount of material stored in his 1200 c.c. brain.

The 25th issue of Jasoosi Dunya was the Silver Jubilee Number. It was titled "Khawfnaak Hangaama." This was another crime thriller cum adventure story. One of the main characters in that story is borrowed from Connan Doyle's THE LOST WORLD.

Ibn-e-Safi also wrote a series of continuous novels - Pahla Shola, Doosra Shola, Teesra Shola, and Jahannum ka Shola, numbers 56, 57, 58 and 59.

Ibn-e-Safi introduces new characters frequently. In number 87 we are introduced to Qasim, a seven foot tall, fat, half-wit who was raised by a very strict father, forcibly married to a beautiful young woman, actually his first cousin, who is also a petit beauty. Qasim cannot satisfy his sexual urges by her so he is always out looking at big sized healthy women - in that process he gets into really precarious situations and provides the reader with hilarious moments.

That is an indication how Ibn-e-Safi has handled delicate psychological issues in our society. Perhaps, one of his masterpieces in that line is number 29, LASHON KA AABSHAAR. The villain/hero of that story is an illegitimate son of his parents. In his early childhood he is taunted for being a

bastard. But he works hard, educates himself and becomes a powerful and wealthy man in the society but he carries that stigma of an illegitimate birth all along. As a consequence he develops a dual personality. Outwardly he is a philanthropist, secretly he is a mass-murderer. Inspector Fareedi, being and honest and realistic police officer, catches him in the act and he is prosecuted for the mass-murder. As he is being lead to the gallows, he looks at the crowd and asks: Is there anyone who would say just once that I am NOT a bastard? No one. The crowd watches him silently, he has a big laugh and walks up to the gallows.

As if that was not enough, very soon, Ibn-e-Safi leaves that series of Fareedi and Hameed and introduces a new duo of private detectives. The main character in that series is Anwar, an investigative journalist who enjoys solving crimes and making fun of the corrupt police offices at the same time blackmailing them. His helper is Rasheeda, who works for the same newspaper, but actually she is a long-lost princess of an island kingdom which is rich in minerals and other natural resources. In one of the main numbers, Rasheeda is taken to her kingdom, but refuses to become the ruler and forsakes her kingdom for Anwar (we see the traces of Edward VIII renouncing his kingdom for a divorcee named Mrs. Simpson!!!) After producing 5-6 numbers on those lines, Ibn-e-Safi returns to his Fareedi Hameed series and from then on, both Anwar and Rasheeda are seen as Fareedi's unofficial helpers.

But, once again, Ibn-e-Safi's talent oozes out in a new series and he begins the famous Imran Series. The main character in that is Ali Imran, the son of a very successful civil servant who has no inkling as to what his son is upto. Imran works closely with the secretary of National Security and runs a secret anti-crime and anti-spy ring as its head who never shows his face, not even to

his own assistants, under the codename X-2. Imran's mother is a typical Muslim lady raised indoors. She prays to Allah for the safety of her son while the son is out and about catching all kinds of bad guys or just killing them off with his bare hands. In the Imran series we are also introduced to one of the most hilarious, and artfully created characters known as Joseph. Joseph is an African who believes in witchcraft and he is a drunkard but a very powerful and strong man, who has the instincts of a Cheetah. Most of the time, he acts as Imran's body-guard and watches his back. Also interesting is Imran's assistants named HUDHUD (the word means a hoopoe) who stammers and always quotes Farsi proverbs profusely, and Juliana Fitzwater a Swiss young woman (Angelina Jolie was born on that model, one wonders if Allah created someone on a model created by Ibn-e-Safi).

In the characters of Imran's mother and Juliana Fitzwater, Ibn-e-Safi has juxtaposed two extremes of female characters in our own times. One is a deeply religious and traditional Indian Muslim lady, another a thoroughly European young woman highly trained in fighting all kinds of crime.

Ibn both portrayals Ibn-e-Safi has worked as an expert artist, painting a large canvas with all the colours but never forgetting the finer details and underlying shades.

Ibn-e-Safi works like an expert painter. He paints his pictures fully, expertly, using his brush as well as paint in such a manner that the painting comes alive in the eye of the beholder - he does not make any mistakes of fact or fiction.

He tried his hand on all kinds of stories. The stories in the Jasoosi Dunya series concentrate on expert and brilliant detective work and those in the Imran series are mainly centered on action and adventure. In both arenas he appears equally comfortable - the comparison that comes to mind is that of Earl Stanley Gardner, who wrote his court room dramas with Perry

Mason character and at the same time produced the Bertha Cool-Donald Lamb stories of adventure under the pen name of A.A. Fair.

In the late 1950's, Ibn-e-Safi moved to Pakistan . He continued writing in the Jasoosi Dunya series and Abbas Husaini kept publishing it from Allahabad . In total there were 125 novels written by Ibn-e-Safi in that series. In Pakistan he did his own publishing under the banner of Asraar Publications. A similar number he produced in Imran Series. In one of the episodes, he makes Fareedi and Imran come together and meet. But, apparently he thought better of it and gave up the idea.

During one of my return visits to Karachi from England , in 1972, I went to see Ibn-E-Safi. He lived in a house in Nazimabad number 3.

If Ibn-e-Safi was born in an English speaking country, he would have become a millionaire. Film companies would have produced big block-busters on his stories. But unfortunately for him, (and fortunately for us) he was born in an Urdu-speaking environment and that is where he produced his brilliant work.

At one time, his novels were re-written and published in Devangari. However, due to the political and social pressures the name of the principal character was changed from Fareedi to Vinod. But that was a very short-lived phenomenon. It did not catch on. I wonder why?

Urdu language, writing and story-telling has lost a gem in Ibn-e-Safi.

This article is still being written.

While in India, Ibn-e-Safi wrote as a faceless writer. He never tried to come any closer to his readers. He kept away from recognition. In Pakistan he changed his style. He would receive letters from his readers and he would respond to one or two of them in every number of Imran Series. He would do that in the introduction of the number. That was yet another modification of

his style in India. In the Jasoosi Duniya series he never wrote any introductions.

In those preface pieces Ibn-e-Safi showed his puckish humour. In one such letters, one of his readers had written from a city named Tando Adam and had suggested a different ending to one of his stories. To that, Ibn-e-SAfi had responded: miaN Tando Adam, khud hi likh kar paRh liya karo.

Titles to come:

" Ibn-e-Safi's heroes
" Ibn-e-Safi's Villains
" Ibn-e-Safi's official helpers
" Ibn-e-Safi's secret helpers
" Ibn-e-Safi's locations
" Ibn-e-Safi's unique pharses
" Ibn-e-Safi's comedy
" Ibn-e-Safi's culture
" Ibn-e-Safi's ideas of religion
" Ibn-e-Safi's ideas of science

Women Characters created by Ibne Safi "

The Numbers in the Series of Jasoosi Dunya:

1.Delair Mujrim
2. Khaufnak Jungle
3. Aurat Farosh Ka Qatil
4. Tijori Ka Raaz
5.Fareedi Aur Leonard
6.Pur Asrar Kunwan
7.Khatarnak Boorha
8.Masnueey Naak
9.Pur Asrar Ajnabi
10.Ahmaqoon Ka Chakkar
11.Paharon Ki Malka
12.Mawt Ki Aandhi
13. Heeray Ki Kaan .

14.Tijori Ka Geet
15.Aatishi Parindah
16.Khoonee Paththar
17.Bhayanak Jazeerah
18.Ajeeb Aawaazain
19.Raqqasa Ka Qatl
20.Neeli Roshni
21.Shahi Naqqara
22.Khoon Ka Darya
23.Qatil Sangrezay
24.Paththar Ki Cheekh
25.Khaufnak Hangama
26.Doosra Qatl
27.Char Shikari
28.Begunah Mujrim
29.Lashon Ka Aabshaar
30.Moonch Moondnay Wali
31.Geeton Ke Dhamakay
32.Siyah Posh Lutera
33.Baraf Ke Bhoot
34.Purhawl Sannaata
35.Cheekhtay Dareechay
36.Khatarnak Dushman
37.Jungle Ki Aag
38.Kuchli Hui Lash
39.Andheray Ka Shahenshah
40.Pur Asrar Wasiyyet
41.Maut Ki Chataan
42.Neeli Lakeer
43.Tareek Saey
44.Sazish Ka Jaal
45.Khoni Bagolay
46.Lashoon Ka Saudagar

47.Hawlnaak Veeraanay
Leonard Ki Wapsi 48.
49.Bhayanak Aadmi
50.Pagal Khanay Ka Qaidi
51. Sholon Ka Naach
52. Geyarhwan Zeenah
53. Surkh Dairah
54. Khoonkhar Larkiyan
55. Saey Ki Talash
56. Pahla Shola
57. Doosra Shola
58. Teesra Shola
59. Jahannum Ka Shola
60. Zehreelay Teer
61. Pani Ka Dhuwan
62. Lash Ka Qahqaha
63. Doctor Dread
64. Shaitaan Ki Mehbubah
65. Anokhay Raqqaas
66. Pur Asrar Mujid
67. Tufaan Ka Aghwa
68. Rifle Ka Naghma
69. Thandi Aag
70. Japan Ka Fitnah
71. Dushmanoon Ka Shahar
72. Lash Ka Bulawa
73. Guard Ka Aghwa
74. Shaadi Ka Hangama
75. Zameen Kay Badal
76. Waba'ee Haijaan
77. Ooncha Shikar
78. Aawaarah Shahzaadah
79. Chaandni Ka Dhuwan

80. Sainkroon Hamshakal
81. Larakoon Ki Basti
82. Ulti Tasweer
83. Chamkeela Ghubaar
84.. Anookhi Rahzani
85. Dhuwaan Uth Raha Tha
86. Farhad 59
87. Zehreela Aadmi
88. Prince Wahshi
89. Bechara Bechari
90. Isharoon Kay Shikaar
91. Sitaroon Ki Mawt
92. Sitaroon Ki Cheekhain
93. Sutwaan Jazeerah
94. Shaitani Jheel
95. Sunehri Chingaarian
96. Sehmi Hui Larki
97. Qaatil Ka Haath
98. Rulaney Wali
99. Tasweer Ka Dushman
100. Deo Paiker Darinda
101. Tisdil Ki Baidari
102. Khaufnaak Mansubah
103. Tabaahi Ka Khwab
104. Muhlak Shinasa'ee
105. Dhuwaan Hui Deewar
106. Khooni Reshay
107. Teesri Nagan
108. Raigam Baala
109. Bhaireyay Ki Aawaz
110. Ajnabi Ka Faraar
111. Raushen Hayula
112. Zard Fitnah

113. Rait Ka Devta
114. Sanpoon Ka Maseeha
115. Thanda Jahannum
116. Azeem Himaqat
117. Zehreela Saiyyaarah
118. Neelam Ki Wapsi
119. Mawroosi Hawas
120. Dahshat Gard
121. Shikari Parchaiyyan
122. Parchaiyyon Kay Hamlay
123. Saayon Ka Takrao
124. Hamzaad Ka Maskan
125. Sahra'ee Diwaanah

==========

From: Anser Azim
To: Aligarh_Urdu_Club@yahoogroups.com
Sent: Friday, 15 February, 2008 2:53:06 AM
Subject: Re: [Aligarh_Urdu_Club] ALL ABOUT IBN-E-SAFI

ASAK Mohsin Bhai: It is beautifully written and imbibing.
AAp kai kalam kai jadoo nai hamare maazi kai un safhon ki terjoomani ker di jin per zamane bher ki gard ikhattha ho chooki thi. Ibne safi merhoom kai navilon se juri aik lambi dastaan hai. Hum sabhi perhte the Ammi, abboo, mamoon aur phoophi. Nana Miyan (old alig) was only against reading jassoosi dunya. Hum aur Mammon jaan dono pitai hain unkai hathon. khair!! I will write in detail once you finish and post all of it.
Merhoom predicted this cell phone culture in one of his novels long time ago in the land of Theresa!!. He was a Genius. When ever i see all these LINCONs and Chevy cars here in USA, that always reminds me something!!! yade maazi ajeeb(changed) hai ya rab....mat cheen..... hafeza mera!!!(changed)

Bahut bahut shukriya for sharing this beautiful write up. I will read it many times!!!!.
wassalam

anser

==========

From: Najeeb Siddiqi
To: Aligarh_Urdu_Club@yahoogroups.com
Sent: Friday, 15 February, 2008 1:08:02 PM
Subject: Re: [Aligarh_Urdu_Club] ALL ABOUT IBN-E-SAFI
Mohsin Sahab,
ASAK,
Is it possible to get reprints of Ibne Safi's entire series?
Wassalam
Najeeb Siddiqi

==========

Mohtaram Mohsin Sahab
Salam Masnoon.
Indeed Ibne Safi, according to me is among Asateza who taught how to use pen, not only to his contemporary writers but for the generations to come. I am waiting eagerly for your article on Ibne Safi. Our entire khandan including Waleda are fan of Ibne Safi. The only exception was Abbajan (Moulana Hamidul Ansari Ghazi), who never read fiction. Ammi wrote 18 novels and more than 100 stories but despite his best efforts he could not read any of her novels. In fact Ammi dedicated one novel to him saying: Ghazi sahab aur unki gonaagon masrufiyat ke naam jo mera her novel bohut shouq se parhna shuru kerte hain lekin khatm kabhi nahin ker paate.
I must have read each of Ibne Safi's novels at least 30 times and I still read them as light reading and thoroughly enjoy them. He

was a genius. My friend Moulana Shoaib Koti whi is Fazile Darul Uloom Means he knows the best of Arabic, Persian and Urdu, was in Saudi for 15 years and was allowed to say tafseer in Masajid, is a writer himself. He once told me: Salman Sahab, Sach baat to yeh hai ke hum ne Urdu likhna Ibne Safi se seekha. Some people who wanted to write good language, I suggested them to start reading Ibne safi for that is the eaziest and most enjoyable way of learning Urdu

Sincerely

Salman Ghazi

==========

From:S. M Hasan
Sent: Thursday, February 14, 2008 11:55 PM
To: Aligarh_Urdu_Club@yahoogroups.com
Subject: Re: [Aligarh_Urdu_Club] ALL ABOUT IBN-E-SAFI

RE JASOOSI DUNYA.....

Marris Hostel kay kamra number 3 main Nusrat Bhai rahtay thay. Nusrat Bhai na sirf hamaray senior thay balki, saray VM Hall kay senior thay woh is wajah say ki woh alhamdo lillah takreeban 13 attempt main graduation say farigh huay thay. Har saal main aur supplementary mila kar. Unko shikwa yeh tha ki woh har mazmoon ko kai kai baar pass kar chukay hain phir bhi University unko degree naheen daity aur is na maqool baat par musir hai ki har mazmoon ko ek hi baar main pass karo.....

Ek to Nusrat Bhai kabhi garmi ki chuttion main ghar naheen jatay, woh kamra number 3 main he rahtay thay. Dosray roz theek 8 bajay woh toilet jatay thay. Ek haath main lota, bagal main JASOOSI DUNIYA aur dosray haath main cigrette ki dibya. Yeh to pata naheen ki woh pahlay toilet say farigh hotay, ya pahlay cigrette ka packet khatam hota ya pahlay JASOOSI Duniya khatam kartay.....woh wapis aatay to teeno kaam say farigh hokar. Ab woh majboori ki baat thee ki itnay main shuroo

kay 3 ya 4 period khatam ho jatay thay..... ab sirf ek ya do period attend karnay kay liya VM Hall say Science Faculty tak kiya jatay, matree kay papay par kevinter makhan ki do tikya (unko seniority ki wajah say ek kay bajai do tikya makhan milta tha) laga kar thandi cha main dubo dubo kar khaatay aur ek do ghantay so jaatay ki phir lunch kay liya uthna hota.

Nusrat Bhai ka kamal tha ki ek Jasoosi Duniya roz puri parhtay thay..... unko Jasoosi duniya ka har character, har episode zabani yaad tha. Agar Jasoosi Duniya text book hoti to Nusrat Bhai zaroor top kartay.

Etnay baar fail honay kay bawajood Aligarh kay qiyam kay din etni jaldi khatam ho jaeengay iska qalaq unko hameesha raha.....

S.M.Hasan
M.Com 1958

==========

From: On Behalf Of Tariq Ghazi
Sent: Saturday, February 16, 2008 2:41 PM
To: Aligarh_Urdu_Club@yahoogroups.com
Subject: [Aligarh_Urdu_Club] Re: ALL ABOUT IBN-E-SAFI

Naquvi Saheb Salam Masnoon

You article on Ibn-e Safi took me down the memory lane to an era half a century ago. In those days, I recall that as soon as the new issue of Jasoosi Dunya would arrive, we'd buy it, often the first copy, and at least three members of the family would read it "individually together". This phrase may sound strange: but it is true. Ammi would be sitting in the middle and two of us brothers on each side of her. Ammi would be holding the book and all three of us read the same page simultanously. If one of us was slow in reading and Ammi would intend to turn the page, he would hay "hooon" and she would hold to the already opened page. This was because none of us would wait for his/her turn a

couple of hours later. And if there was a satirical or humorous sentence, all of us would laugh and enjoy it together and make our own comments. We would finish the whole book in less than an hour and then start the long wait for the next issue of Jasoosi Dunya.

Your article is very good especially since you appear to be an expert in the field of detective fiction. Not everyone of Ibn-e Safi readers had that privilege. Our own interest in such thrillers began and ended with Ibn-e Safi. Honestly, I could not relish English detective fiction, since it was not just jasoosi as such, but Ibn-e safi's language, style, idiom that was a greater gravitational pull than crime and gore. However, your comparison of some of Ibn-e Safi material with western thrillers opens up a new dimension in critical appreciation of Ibn-e Safi.

Nonetheless, Ibn-e Safi was a master character-creator. His diversity and maintaining that diversity is awesome. Faridi Hamid apart, Inspector Asif, Super Faiyaz, Imran and X-2, Sulaiman bawarchi, Joseph, Qasim, Gerald Shastri, Albruno, Sing-hee, Dr Jhoos, Dr Zeto and his "inventions" of "bakar-machh" (with the head of a goat transplanted to the body of a crocodile - something which is yet to be accomplished scientifically), and an egg with three yolks (perhaps of different colors, if I remember correctly), Ustad Niralay Alam, Barkhurdar Bughra Khan and then Hamid's unnamed "chuhiya" which had perished together with Fardi's Cadi - a wonderful coincidence, wasn't it? Even Faridi's Cadi and Imran's two-seater had endearing characters of their own.

In his early novels, Ibn-e Safi himself would write the introduction, a task much later taken on by Abbas Husaini. In one of those early introductions, Ibn-e Safi had said that initially he did not intend to perpetuate the characters of Faridi and Hamid, and that is why he had brought Anwar-Rasheedah team, to be followed by some other person or team. The Anwar-Rasheedah duo

appeared in three novels but then readers demanded return of Faridi and Hamid and Ibn-e Safi began paying more attention to developing characters of his original team. These two characters of Faridi and Hamid grew in time with every new novel. Diler Mujrim's Faridi was, for example, very much different from the Faridi of Sholay series. Later Anwar would provide an occasional lead to Faridi before he disappeared completely, for two simple reasons: his character was not powerful enough to sustain on its own, and the appearance of a heavyweight like Imran.

In one interview Ibn-e Safi had admitted that in his scores of novels he "borrowed" from western fiction only in eight novels. Rest of them were his original. His originality was manifest in many areas. For example, he showed medical experts "creating" diseases and/or viruses so that the remedies developed before-hand are sold in huge quantities thus increasing wealth for the manufacturers. This seems to be a norm. Bakar-machh and egg with three yolks appeared to be on the hilarious side, but later scientific developments suggested that Ibn-e Safi was thinking well ahead of his technological times and might have encouraged scientists (not in Urdu world, though) to do some research and development on the lines Ibn-e Safi had drawn. After all Agatha Christie had paid tribute to him for no reason.

Ibn-e Safi was emulated and some parasites considered it an honor to copy him "exactly" as the original author wrote. These "emulators" can be divided into two categories: the emulators of styles and characterisation, and the other the ruminant-writers (sirf jugali karnay walay). The first category includes Aslam Ilahabad who wrote a monthly novel for Jasoosi Phanda, Allahabad, and had carbon-copied Faridi of early days in the character of Inspector Jaafari (I've forgotten the name of Hamid's counterpart). Another emulator was Akram Ilahabadi, who lived in Bombay and was a trade union leader of the handcart-pullers there, and would write a monthly novel for Jasoosi Punja, Delhi.

Later he started his own Jasoosi Karnamay from Bombay, but it was not a successful business venture. Akram Ilahabadi's detectives were Khan and Balay. Khan was actually a Bombay police crime inspector Huzoor Ahmad Khan, and Balay was his Maratha assistant. Both these characters would copy Faridi and Hamid respectively. But they would not impress a discerning reader. After Ibn-e Safi came up with Qasim, Akram Ilahabadi created Shaukat, a similarly huge person from Bhopal. Nevertheless, Shaukat did not stand up to Qasim's shoulder. I remember one of Qasim's dialogue. In Hotel de France or High Circle Night Club, Hamid introduces Qasim to a woman, saying "have you heard of Asim Saheb?" The woman thinks Qasim is Asim Saheb, the millionaire millowner, and wonder-struck, she asks Qasim, Are you Asim Saheb? And Qasim says, "nahin, mein Qasim Saheb Hoon, Asim Saheb Qasim Saheb kay walid saheb hain."

The other category of Ibn-e Safi emulators were N Safi (sometimes, "Najma Safi") the name was misleading in that the "name-lifter' had just added one dot under Urdu word ibn's bey to make it English letter "N" written in Urdu script. She (or he) would shamelessly use all characters of Ibn-e Safi to make a few rupees for him/herself and a few more for the tadpole publisher. Yet another name I don't remember was perhaps Iftikhar or Arif something. (I did not read them, just saw their names on titles) This second person used to brag that he was a "disciple" of Ibn-e Safi and was successful in copying his supposed mentor's characters as they appeared in originals. What a disciple! Ibn-e Safi was a genius writer. He would write satire under another pen-name Tughril Farghan, was poet named Asrar Narwi.

He was a master of Urdu. You were rather mystified by his use of word "ehtaraz". In fact, Urduphile hordes were never so deficient in their own language and vocabulary as generations of today

are, thanks to the myopic approach fostered by the Progressive Writers and followed by their nemesis, Jadeed Adab. In ibn-e Safi's era, common Urdu people would still commonly - and I mean commonly - use such words as ehteraz, muhtariz, mu'atriz, inbisat, etc. There was a time, not long ago, when such was our roz-marrah. But then it's altogether a different issue. Yes, Jasoosi Dunya Hindi had changed the name of Faridi to Vinod and of Imran to Rajesh - so much for the much vaunted doctrine of tolerance in our modern civilized (sic) world. I hope one day you will complete your project on Ibn-e Safi.

Muhammad Tariq Ghazi
Ottawa, Canada
Saturday 16 February 2008

==========

From: Salman Ghazi
Sent: Thursday, January 17, 2008 9:20 AM
To: Aligarh_Urdu_Club@yahoogroups.com
Subject: Re: [Aligarh_Urdu_Club] Ibne Safi

Mohtaram Mohsin Sahab
Salam Masnoon.

Indeed Ibne Safi, according to me is among Asateza who taught how to use pen, not only to his contemporary writers but for the generations to come. I am waiting eagerly for your article on Ibne Safi. Our entire khandan including Waleda are fan of Ibne Safi. The only exception was Abbajan (Moulana Hamidul Ansari Ghazi), who never read fiction. Ammi wrote 18 novels and more than 100 stories but despite his best efforts he could not read any of her novels. In fact Ammi dedicated one novel to him saying: Ghazi sahab aur unki gonaagon masrufiyat ke naam jo mera her novel bohut shouq se parhna shuru kerte hain lekin khatm kabhi

nahin ker paate.

I must have read each of Ibne Safi's novels at least 30 times and I still read them as light reading and thoroughly enjoy them. He was a genius. My friend Moulana Shoaib Koti whi is Fazile Darul Uloom Means he knows the best of Arabic, Persian and Urdu, was in Saudi for 15 years and was allowed to say tafseer in Masajid, is a writer himself. He once told me: Salman Sahab, Sach baat to yeh hai ke hum ne Urdu likhna Ibne Safi se seekha. Some people who wanted to write good language, I suggested them to start reading Ibne safi for that is the eaziest and most enjoyable way of learning Urdu

Sincerely

Salman Ghazi

==========

From: Razia Mashkoor
Sent: Friday, February 15, 2008 5:06 PM
To: Aligarh_urdu_club@yahoogroups.com
Subject: Re: [Aligarh_Urdu_Club] ALL ABOUT IBN-E-SAFI

My thoughts on Ibne Safi

Razia

ابنِ صفی: ایک سدا بہار قلمکار

رضیہ مشکور

یہ اس وقت کی بات ہے جب میں ایم اے میں داخل ہوئی تھی اور ہمارا بی اے کا جو گروپ (دوستوں کا) بکھر چکا تھا۔ یعنی ایک نے ہسٹری ایم اے جوائن کی دوسری نے اسلامک اسٹڈیز تیسری نے ویمینس پولی ٹیکنیک چوتھی نے ایم بی اے اور میں نے اردو ڈیپارٹمنٹ۔

نئی دوستوں کی تلاش رومانہ اور زینت پر ختم ہوئی۔ رومانہ میرے بڑے ماموں کی چھوٹی

سالی ہے، اور زینت اس کی کالج کی دوست۔ چلو بھئی دوستی ہوگئی اور ڈیپارٹمنٹ میں تنہائی کے خوف سے نجات ملی۔ آہستہ آہستہ یہ دوستی ڈیپارٹمنٹ کی حدوں سے نکل کر گھروں تک پہنچی، رومانہ کے گھر تو پہلے سے آنا جانا تھا مگر زینت، ایک ایسے ہی سنہرے دن (سخت گرمی اور زینت کی سالگرہ) کے موقعہ پر اس کے گھر جانے کا اتفاق ہوا۔ کیک کاٹنے میں ابھی وقت تھا صرف ہم چند دوستیں ہی تھیں اور زینت کی فیملی۔ اچھا خاصہ تین کمروں کا مکان۔ ۔۔ بہر حال کیک مغرب کے بعد کاٹنا تھا اور آذان ہو چکی تھی میں نے زینت سے کہا بھئی جائے نماز دو اس نے جھٹ سے جا کر وہ جائے نماز کتب خانہ میں بچھا دی۔ جہاں میرے لئے مغرب ادا کرنا ایک عجیب تجربہ تھا۔ فرض پڑھتی پھر چاروں طرف کتابیں، دیکھتی پھر سنت، اور پھر کتابیں، اور پھر نفل، اور پھر کتابیں۔ وجہ یہ تھی کہ اتنی کتابیں بیک وقت میں نے کسی گھر میں پہلی بار دیکھی تھیں۔ ایک پوری مکمل لائبریری۔ پر میری خوشی کی انتہا نہیں رہی جب میں نے ابنِ صفی کا انتخاب دیکھا۔ مجھے یاد ہے سب باہر پارٹی میں بزی تھے اور میں اندر کتابوں میں۔ کچھ ہی دیر میں رضیہ کہاں ہے کی آوازوں نے مجھے باہر آنے پر مجبور کر لیا تھا۔ مگر فریدی کی دوڈائجسٹ میں منتخب کر چکی تھی۔ پارٹی کے بعد جب میں نے زینت سے کہا کہ مجھے ابنِ صفی کی دو کتابیں چاہئے تو پہلے تو وہ حیران ہوئی کہ تجھے ابنِ صفی کہاں نظر آ گئے؟ پھر بولی ابھی ابو گھر میں ہیں اور کسی کو اپنی کتابوں سے ہاتھ نہیں لگانے دیتے۔ میں کل ڈیپاٹمنٹ لیتی آؤ گی۔ یوں ابنِ صفی کی کافی تحریریں وہیں سے پار کر کر کے پڑھیں مگر کب تک پار کرتے ایک دن یسین انکل کو ہماری چوری کا معلوم ہو گیا اور انہوں نے ٹھیک ٹھاک ڈانٹ زینت کو پلا دی۔ بیچاری زینت دوسرے دن ڈیپارٹمنٹ آئی تو منھ سوجا ہوا تھا۔ دیکھتے ہی معلوم کیا، کیا ہوا؟ چھوٹتے ہی بولی "منع کیا تھا، نہیں مانی! ابو کو پتہ چل گیا کہ میں تجھے ان سے جازت لئے بغیر ان کی کتابیں دے رہی ہوں کتنا ناراض ہوئے ہیں اور مزید دینے سے انکار کر دیا ہے، ہاں۔" لیکن معلوم کر رہے تھے کہ گھر میں ہوتے ہوئے آپ نے تو کبھی ابنِ صفی کو پڑھنے کی کوشش نہیں کی یہ آپ کی کون سی دوست ہیں جنہیں ابنِ صفی میں دلچسپی ہے۔ وہ کبھی گھر آئیں تو مجھے ان سے ملوایئے گا۔ مارے ڈر کے کئی ہفتوں ان کے گھر نہیں گئے۔ مگر ایک دن پروفیسر محمد یسین مظہر صاحب (اس وقت چیر پرسن، ڈیپارٹمنٹ آف اسلامک اسٹڈیز) سے ملاقات ہو ہی گئی۔ بے حد شفقت سے ملے اور سب سے اہم

بات ایک مختصر سی وارنگ کہ کتابیں خراب نہ ہوں تم جو چاہے کتاب پڑھنے کے لئے لے سکتی ہو۔تو اسطرح ہم نے ابنِ صفی کے زیادہ تر ناول وہیں سے پڑھے۔شکریہ یسین انکل۔ابھی دو مہینے پہلے ہی ان کی ایک سیریز "چٹانوں میں فائر" پڑھی ہے اور میں کہہ سکتی ہوں کے ایک عرصیکے بعد بھی اس کی تازگی میں کوئی فرق نہیں آیا۔یہ ہی انفرادیت ہے ابنِ صفی کی کہ آپ چاہے دوبارہ سہ بارہ پڑھ لیں ان کی تازگی، ایک نیا پن باقی رہتا ہے۔اب جوان کے بارے میں فورم پر بات ہوئی تو مجھے یہ لمحات یاد آ گئے جیسے میں آپ سب کے ساتھ شیئر کر رہی ہوں۔ان کی ایک اور خاصیت ہے وہ یہ کی ہر عمر کا انسان انہیں اتنی ہی دلچسپی اور شوق سے پڑھتا ہے جتنا کہ ایک ایسا نوجوان جسے جاسوسی کہانیوں میں دلچسپی ہوتی ہے۔ہم نے اپنے پاپا کو کبھی جاسوسی کہانیاں پڑھتے نہیں دیکھا مگر ابنِ صفی کی کوئی سیریز اگر ان کے ہاتھ میں آ گئی تو اسے پوری ختم کئے بغیر کبھی نہیں اٹھے، خواہ کھانا ٹھنڈا ہوتا رہے۔" آ رہا ہوں، آپ کھانا لگاؤ، آ رہا ہوں، بھئی آ رہا ہوں" کے جملہ آتے رہیں گے خود نہیں آئیں گے۔بس یہی کہا جا سکتا ہے کہ ان کی تحریروں میں ایک مقناطیسی کشش ہے۔

(())(())(())(())(())

اعلان

دیدہ ور کا اگلا شمارہ (نمبر ۱۹) جنوری تا مارچ ۲۰۱۳ء میں ہاجرہ مسرور پر گوشہ شامل کیا جا رہا ہے آپ تمام اہلِ قلم سے درخواست ہے کہ اپنی تخلیقات فروری کے آخر تک ان پیج میں روانہ کریں۔جو تخلیقات ان پیج میں نہیں ہو گیں انہیں شامل کرنا ہمارے لئے مشکل ہو گا۔برائے مہربانی اپنی تخلیقات پروف کر کے بھیجیں، جزاک اللہ خیر۔

ادارۂ علیگڑھ اردو کلب

ابنِ صفی کے متفرق ناولوں سے اقتباسات

۔۔''تم جیسے لوگوں نے باسٹرڈ سوسائٹی پیدا کی ہے۔اپنے کلچر کی ایک بھی چیز سلامت نہ رہنے دی۔ابھی ابھی تم نے اپنے جگر پارے کے جسم پر جو لباس دیکھا اور برداشت کیا تھا کیا تمہارے باپ تمہاری بہن کے جسم پر برداشت کر سکتے؟

''خاموش رہو دقیانوس کے بچے تم پڑھے لکھے جاہل معلوم ہوتے ہو پھر کیوں نہ مغربی اقوام سے دور رہ جاؤ۔''

''جی ہاں اس لنگوٹی ہی کی وجہ سے تو مغربی اقوام آگے ہیں ہم سے۔۔''

خواتین کی کم لباسی ہی انھیں چاند پر لے جا رہی ہے سوچتے ہوں گے، جب یہ زمین کے چاند ایسے ہیں تو وہ چاند کیسا ہو گا۔۔۔جیسے لنگوٹی بھی میسّر نہیں۔''

''میری پیدائش غالباً اسی اُسی طرح ہوئی تھی جیسے سڑی ہوئی لاشوں میں کیڑے پیدا ہو جاتے ہیں انسانیت کی سڑی لاش نے مجھے جنم دیا تھا۔۔''